معیار: علمی وتحقیقی مجلّہ، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد:۲، شمارہ:۲ جولائی-دسمبر ۲۰۱۰ء

گارسیں دتاسی[۱]: رکن انجمنِ پنجاب، لاہور[۲]۔ مزید تحقیق

محمد اکرام چغتائی*

صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ شرقیات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ کتنے بلند پایہ اور جید علماء و فضلاء نے السنۂ شرقیہ اسلامیہ، ان کے ادبی شاہکاروں اور علوم وفنون کی تحقیق وتفحص میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور ان شعبوں میں ایسے ناقابل فراموش کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ تمام تر اختلافات اور تحفظات کے باوجود ان کی محنت، لگن اور اپنے علمی مقصد حیات سے گہری وابستگی کی داد دینا پڑتی ہے۔ نامور خاور شناسوں کی اس لمبی صف میں فرانس کے ایک مستشرق گارسیں دتاسی بھی اپنی فتوحات علمیہ کے سبب بڑی شان اور تمکنت سے کھڑے ہیں، بلکہ انھیں کچھ ایسے امتیازی خصائص بھی حاصل ہیں جو پوری تاریخ استشراق میں کم کم ہی دکھائی دیتے ہیں، مثلاً:

الف) وہ السنۂ شرقیہ اسلامیہ، ان کے ادب پاروں اور علوم متداولہ پر عالمانہ ومحققانہ دسترس رکھتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُسے جنوبی ایشیا کی جدید زبانوں بالخصوص ''ہندوستانی'' (یعنی اردو) سے گہرا لگاؤ تھا۔ یوں وہ ایک اسلام شناس کے علاوہ ہند شناسی بھی تھا اور اس اعتبار سے مستشرقین میں ایسے امتزاج کی کوئی اور مثال دستیاب نہیں۔

ب) گارسیں دتاسی نے اپنے استاد، محسن اور فرانسیسی مستشرقین کے جد اعلیٰ سلوستر دساسی[۳] (Silverstre de Sacy، ۱۷۵۸ء-۱۸۳۸ء) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اسی کی فرمائش پر عزالدین مقدسی کی ''<u>کشف الاسرار عن حکم الطیور والازہار</u>'' (تصحیح وترجمہ، ۱۸۲۱ء) سے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا۔ عربی، فارسی اور ترکی زبانیں اسی سے سیکھیں اور یہی شخص تھا، جس نے اس کو اردو سیکھنے کی ترغیب دی۔ حیرت ہے کہ جن ممالک میں یہ چاروں زبانیں بولی جاتی ہیں، وہاں دتاسی کبھی نہیں گیا، لیکن ان ممالک کے ارباب علم ودانش، مطابع وغیرہ سے بذریعہ خط کتابت اس کے گہرے روابط قائم تھے۔

ج) سلوستر دساسی کی تجویز پر فرانسیسی حکومت نے اردو کی پروفیسر شپ منظور کی (۱۸۲۸ء) اور اسی کی سفارش پر اس نئی اسامی پر گارسیں دتاسی کا تقرر ہوا۔ چند سال قبل اپنے استاد کے پُرزور اصرار پر دتاسی نے انگریزوں کی تالیف کردہ قواعد اردو کی کتابوں کی مدد سے اس زبان کی مبادیات پر دسترس حاصل کی۔ پھر وہ دو تین بار انگلستان گیا اور وہاں کے اردو داں اصحاب (جان شیکسپیئر، ڈنکن فوربز وغیرہ) سے قریبی مراسم استوار کیے۔ تقریباً دو سال میں اسے اردو زبان پر عبور حاصل ہو گیا۔ دیکھا جائے تو اردو کے حوالے سے دتاسی کی حیثیت ''خود آموختہ

---

* ۱۴۹۔اے، گلشن راوی، لاہور۔

پروفیسر'' کی ہے۔فرانس میں اردو پروفیسر شپ قائم ہوتے ہی اس کی تعیناتی ہوئی اور جوں ہی وہ اللہ کو پیارا ہوا، یہ اسامی بھی ختم کردی گئی اور ایسی ختم ہوئی کہ پھر بحال نہ ہوسکی۔ یہ نصف صدی [یعنی ۱۸۲۸ء میں اردو کی پروفیسر شپ کے قیام سے دتاسی کی وفات (۱۸۷۸ء) تک] فرانس میں اردو زبان وادبیات کا زمانۂ عروج تھا اور اس عرصے میں اردو پر جتنا کام ہوا، وہ سب دتاسی ہی کا مرہون منت ہے۔

د) گارسیں دتاسی کے استاد سلوستر دساسی نے اپنے ملک میں کسی استاد کے بغیر عربی اور فارسی زبانیں سیکھیں۔اس کے شاگرد نے بھی اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی مدرس کے بغیر اردو زبان سیکھی اور پھر شبانہ روز محنت سے اس پر اتنی دسترس حاصل کر لی کہ اسے لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں ذرہ بھر دقت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ بعض ہندوستانی مشاہیر کو اردو میں خطوط لکھتا تھا اور ہندوستان کے جن چند اصحاب علم کو پیرس میں اس سے ملاقات کا موقع ملا، وہ اس کی رواں اردو گفتگو سن کر حیران وششدر رہ جاتے۔ یہ ایسا کمال ہے، جو یورپ کے بہت کم اردو دانوں کو حاصل ہوا۔

د) گارسیں دی تاسی جن مختلف ذرائع سے ہندوستان کے اداروں اور مطبعوں سے شائع ہونے والی کتب، اخبارات اور مجلّات منگوایا کرتا تھا، ان میں سب سے بڑا ذریعہ اس کے وہ ہموطن اور یورپی احباب تھے، جو ہندوستان میں اہم عہدوں پر فائز تھے اور اسے گاہے بگاہے مطلوبہ معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔تعجب خیز امر یہ ہے کہ اس دور میں، جب مراسلت کے تیز ذرائع معرض وجود میں نہیں آئے تھے، اس نے کس تسلسل اور پابندی سے اپنے اطلاع کنندگان (informateurs) سے مستقل رابطہ رکھا اور ان ہی کی مرسلہ اطلاعات کی بنا پر وہ تقریباً ستائیس برس ہر سال اردو زبان وادب کی سالانہ پیش رفت پر جامع خطبات پیش کرتا رہا۔

ہ) جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ گارسیں دتاسی نے کسی یونیورسٹی یا تعلیمی ادارے میں داخل ہوئے بغیر اردو سیکھی، مزید یہ کہ ہندوستان میں، جہاں یہ زبان تحریر وتقریر میں مستعمل ہے، تمام عمر وہاں قدم تک نہیں رکھا، لیکن اس کے باوجود اس نے ان دونوں زبانوں کی مفصل تاریخ قلم بند کی، جو پہلے دو جلدوں اور پھر ترامیم واضافات کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوئی۔علاوہ ازیں اس تاریخ سے بھی زیادہ اہم اس کے وہ ستائیس سالانہ خطبات ہیں جو وہ ہر تعلیمی سال کے شروع ہوتے ہی ہندوستان کی علمی، ادبی، صحافتی، مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے متعلق دیا کرتا تھا۔ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھیں تو تاریخ استشراق میں شاید ہی کوئی اور ایسی مثال دستیاب ہوسکے۔

و) گارسیں کی ''تاریخ''[۴] کے دونوں ایڈیشنوں پر سرسری نظر ڈالتے ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مجموعی ڈھانچہ تذکروں ہی سے مماثل ہے، کیوں کہ اس میں اردو اور ہندی شعراء اور مصنفین کے احوال زندگی الفبائی ترتیب سے درج کیے گئے ہیں۔ان سوانحی کوائف میں فروگذاشتوں، کمیوں، لغزشوں اور کوتاہیوں کی بھرمار ہے۔بنظر غائر دیکھا جائے تو اس ''تاریخ'' کا اہم ترین حصہ اس کا مقدمہ ہے، جس میں اس نے اردو پر لسانیاتی اعتبار سے بحث کی ہے، اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زبان کی ادبی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی اقدار پر بحث کی ہے۔اسی پیش گفتار میں گارسیں دتاسی نے اردو کی ادبی تاریخ کا ایک ابتدائی خاکہ پیش کیا ہے، جس کو بعد میں مولوی کریم الدین پانی پتی (۱۸۲۱ء-۱۸۷۹ء) نے ''طبقات شعرائے ہند'' (۱۸۴۸ء) میں مناسب ترمیم واضافہ کے ساتھ آگے بڑھایا۔[۵] ممکن ہے اپنے زمانۂ طالب علمی یا چند سال بعد یہ خاکہ محمد حسین آزاد کی نظر سے بھی گزرا ہو، کیوں کہ ''آب حیات'' میں بھی کم وبیش ان ہی اصولوں کی پیروی کی گئی ہے۔بعض ثقہ ناقدین کی رائے میں 'طبقات شعرائے ہند' اردو شاعری کی تاریخ نویسی کی طرف پہلا قدم ہے، لیکن حقیقت میں اردو کی ادبی تاریخ کا نقش اول گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' کے ابتدائیے کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

ایک نامور جرمن خاور شناس نے سلوستر دساسی کے تلامذہ کے تحت گارسیں دتاسی کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ جونہی استاد کی

سفارش پر اس ''چہیتے شاگرد'' (Lieblingsshuler) کی مدرسۃ السنہ شرقیہ میں بطور اولیں مدرس اردو تقرری ہوئی، اس کے مطالعات اور تحقیقات کا محور و مرکز یہی زبان بن گئی۔ قواعد اردو، نظم و نثر کے منتخبات، تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی، سالانہ خطبات، تدوین دیوان ولی اور بالخصوص تراجم کے ذریعے اس نے اردو کو یورپ کے کونے کونے میں متعارف کرا دیا اور اردو داں طبقے کو ایسی راہوں سے روشناس کرایا، جن سے وہ پہلے آشنا نہیں تھے۔[٦]

گارسیں دتاسی نے نئی قائم کردہ اردو پروفیسر شپ پر اپنی تقرری (پہلے عارضی اور پھر مستقل) ہوتے ہی اردو زبان و ادب سے متعلق کئی اہم منصوبوں کا آغاز کر دیا۔ ابتدائی سترہ اٹھارہ سالوں میں ان میں سے جو منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے، ان میں مبادیات ہندوستانی، صرف اردو، قواعد زبان اردو، دیوان ولی (۱۸۳۳ء)، تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (جلد اول، ۱۸۳۹ء) قابل ذکر ہیں۔ ہمارے ہاں ان تصنیفات سے عدم واقفیت کی بڑی وجہ وہ زبانہ ہے جس مین یہ لکھی گئیں یعنی فرانسیسی، جس کا جاننے والا مقامی لوگوں میں کوئی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ گارسیں کے سبھی مضامین فرانس کے مختلف رسائل بالخصوص ''ژورنال ازیاتک'' (Journal Asiatique) میں شائع ہوتے تھے، جو ہندوستان میں کہیں دستیاب نہیں تھے۔ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں جنوبی ایشیا میں گارسیں دتاسی کا باقاعدہ اور براہ راست تعارف ۱۸۴۸ء میں ہوا، جب ایف فیلن نے اس کی ''تاریخ'' کی جلد اول کا انگریزی ترجمہ کیا اور اس کو سامنے رکھ کر مولوی کریم الدین پانی پتی نے اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' کو مرتب کیا۔ اس تذکرہ کے سرورق کی انگریزی اور اردو عبارات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف نے گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' کے انگریزی ترجمہ ہی کو اردو میں منتقل کر دیا ہے، جب کہ دونوں کے تقابلی مطالعہ سے اس بات کی نفی ہو جاتی ہے۔ مولوی کریم الدین نے اس ''تاریخ'' سے استفادہ ضرور کیا ہے، خاص طور پر اس کے مقدمہ میں ادبی تاریخ کے بنیادی اصولوں کو من وعن نقل کر دیا، لیکن بیشتر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مولوی موصوف کا تذکرہ بالکل ایک الگ تصنیف ہے، البتہ اس کے بنیادی مصادر میں گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' بھی شامل ہے۔

گارسیں دتاسی نے اپنی ابتدائی تحریروں، تبصروں اور خطبوں میں دہلی کالج جیسی شمالی ہند کی اہم ترین درسگاہ کا کہیں کہیں اجمالاً ذکر کیا ہے، لیکن یہاں کے اساتذہ اور طلباء نے اس سے علمی روابط قائم رکھے۔ اس مدرسہ کے پہلے پرنسپل فیلکس بوترو سے تو اس کے قریبی دوستانہ مراسم تھے اور وہ اس کے استفسارات کا مفصل جواب بھجواتا رہتا تھا۔ اس کے بعد دوسرے پرنسپل ڈاکٹر الوئس اشپرینگر سے اس کے تعلقات کی نوعیت قدرے مختلف تھی، یعنی سعدی اور مسعود سعد سلمان لاہوری کی ''ہندی'' شاعری کے بارے میں ان کے مابین گرما گرم مباحثہ ہوا اور اس کے نتیجے میں ''ہندوستانی''، یعنی اردو کے قدیم شعری آثار منظر عام پر آئے۔[٧] متذکرہ صدر تذکرہ ''طبقات شعرائے اردو'' بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، کیوں کہ اس کا مؤلف مولوی کریم الدین پانی پتی بھی اسی کالج کا فارغ التحصیل تھا۔ چند سال بعد دہلی کالج ہی کی ایک نامور شخصیت مولوی ذکاء اللہ دہلوی (م۔ ۱۹۱۰ء) نے گارسیں دتاسی کے ایک فرانسیسی کتابچے کا اردو میں بعنوان ''تذکرہ مختصر احوال مصنفین ہندی'' ترجمہ کیا (دہلی: مطبع مظہر العجائب، ۱۸۵۶ء)۔ کہا جاتا ہے کہ مترجم نے انگریزی متن کو استعمال کیا، جو غالباً مصنف کے دوست سابق قائم مقام پرنسپل دہلی کالج فرانسس ٹیلر نے تیار کیا تھا۔[٨] ان ہی دنوں سر سید احمد خان کی دہلی کی عمارات، تاریخی آثار اور نامور شخصیات کے احوال پر مشتمل کتاب ''آثار الصنادید'' (طبع دوم۔ دہلی ۱۸۵۴ء) طبع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ بالواسطہ یا بلاواسطہ گارسیں دتاسی تک پہنچا تو پہلے اس نے اس پر جامع تبصرہ لکھا[٩] اور پھر اس کے حصہ دوم اور سوم کو فرانسیسی میں منتقل کیا۔[١٠] سر سید اور گارسیں دتاسی میں براہ راست مراسلت یا ملاقات کا کوئی ثبوت تو نہیں ملتا، حالانکہ اول الذکر لندن جاتے ہوئے دو روز پیرس میں ٹھہرے تھے (۲، ۳ مئی ۱۸۶۹ء)، لیکن گارسیں دتاسی سے ملنے کے لیے

وقت نہ نکال سکے۔[11] پھر بھی سرسید اس کے غائبانہ معترفین میں شامل تھے، جیسا کہ ان کے اخبار ''سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ'' (بابت ۱۹ اپریل ۱۸۶۷ء) سے ظاہر ہوتا ہے۔[12] اس سفر میں سرسید کے چھوٹے بیٹے سید محمد محمود (۱۸۵۰ء-۱۹۰۳ء) بھی شریک سفر تھے، لیکن وہ پانچ سال بعد یعنی ۱۸۷۲ء میں جب اکیلے پیرس آئے، تو ان کی گارسیں دتاسی سے مفصل ملاقات ہوئی۔[13]

۱۸۷۸ء میں گارسیں دتاسی کا انتقال ہوا اور اس سے اگلے سال اس کا انتہائی اہم نجی کتب خانہ نیلام ہو گیا۔ اس میں ترکی، عربی، فارسی اور بالخصوص اردو کتب و رسائل کا بیش بہا ذخیرہ تو بکھر گیا، لیکن ان کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس فہرست سے آسانی لگایا جا سکتا ہے جو اس کے شاگرد نے مرتب کی تھی۔[14] گارسیں جیسے اردو زبان و ادب کے شیدائی کی رحلت یا اس کے نادر ذاتی کتب خانے کی نیلامی جیسے حوادث کا ذکر ہمارے اخبارات و رسائل یا کسی معاصر کی تحریر میں نظر نہیں آتا۔ تقریباً ربع صدی اسی خاموشی میں گزر گئی، بالآخر اس علمی سکوت کو معروف ماہر لسانیات جارج گریرسن نے توڑا اور ''ہندوستانی'' (یعنی اردو) کی جامع ببلیوگرافی کے تحت گارسیں دتاسی کی بیشتر تصانیف و تراجم کے حوالے درج کیے۔[15] اسی ببلیوگرافی سے مولوی عبدالحق نے ''قواعد اردو'' کا مقدمہ لکھتے ہوئے بھرپور استفادہ کیا۔[16] بعد میں گریرسن نے ''لسانیاتی جائزہ ہند'' میں اپنی اسی ببلیوگرافی کو شامل کیا[17] اور مولوی عبدالحق نے اپنا مقالہ بعنوان ''اہل یورپ نے اردو کی کیا خدمت کی؟''[18] میں حسب سابق گریرسن ہی کی فہرستِ مصادر کو پیش نظر رکھا۔ شاید ان ہی مطالعات کے زیر اثر محی الدین قادری زورؔ کو گارسیں دتاسی کے سوانح اور اردو خدمات کو اجاگر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ خوش قسمتی سے وہ ان دنوں پیرس میں مقیم تھے اور اس دوران میں انھوں نے جو کچھ جمع کیا، اس کی بنیاد پر گارسیں دتاسی پر ان کا کتابچہ اشاعت پذیر ہوا۔[19]

گارسیں دتاسی ہر سال مدرسۃ السنۂ شرقیہ کا نیا سیشن شروع ہوتے ہی ایک جامع خطبہ دیا کرتا تھا جو اس سال میں اردو زبان و ادب کی ترقیوں پر مبنی ہوتا تھا۔[20] انجمن ترقی اردو نے مولوی عبدالحق کی زیر نگرانی گارسیں دتاسی کے ان سالانہ لیکچروں (۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۷ء) کو ''خطبات'' اور ''مقالات'' کے زیر عنوان اردو میں منتقل کرایا اور ان تراجم میں سید راس مسعود، مسز پکتھال، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، پروفیسر عزیز احمد، اختر حسین رائے پوری اور عبدالباسط (ملازم بمبئی کرانیکل) نے تعاون کیا۔[21] اس کے بعد گارسیں دتاسی کی تصنیفات بالخصوص ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (=''تاریخ'') کو زیادہ تر تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی سوانحی و واقعاتی فروگذاشتوں کی نشاندہی کی گئی۔ اس ضمن میں قاضی عبدالودود کا نام سرفہرست ہے۔[22]

تصانیفِ گارسیں دتاسی کے انگریزی تراجم:

گارسیں دتاسی کی زندگی ہی میں اس کی بعض فرانسیسی کتب کو انگریزی میں منتقل کرنے کا آغاز ہو گیا تھا۔ یہ ابتدائی تراجم اشاعت پذیر تو نہیں ہوئے، کیوں کہ یہ ایک ضرورت کے تحت کیے گئے تھے اور وہ ضرورت یہ تھی کہ ان ہی کو پھر کاملاً یا جزواً اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ متذکرہ بالا دو کتابیں یعنی ''طبقات شعرائے ہند'' (مولوی کریم الدین پانی پتی) اور ''رسالہ تذکرات'' (مولوی ذکاء اللہ دہلوی) ایسے ہی انگریزی تراجم کے توسط سے منظر عام پر آئیں، جو بالترتیب ایف فیلن اور فرانسس ٹیلر[23] نے کیے تھے۔ ان کے بعد گارسیں دتاسی کی ''گل بکاؤلی''[24] اور ''تاریخ'' (طبع ثانی) کی جلد اول (۱۸۷۰ء) کے انگریزی ترجمے کا ذکر کیا جاتا ہے، جو ہندوستان میں مقیم کسی نامعلوم فرانسیسی نے کیا تھا۔ مولوی محفوظ الحق کی اطلاع کے مطابق نواب سید نصیر حسین خیالؔ نے ۱۹۱۷ء میں انھیں اس انگریزی ترجمہ کا مسودہ دکھایا تھا۔[25] برسوں یہ ترجمہ محفوظ رہا،[26] لیکن بالآخر یہ بھی دستبرد زمانہ کی نذر ہو گیا۔

گارسیں دتاسی نے ایک مفصل مضمون بذیل عنوان ''ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب کی خصوصیتوں پر ایک یادداشت''[27] لکھا، جو

تین قسطوں میں ''ژورنال ازیاتک'' میں شائع ہوا۔[28] اس میں مصنف نے اردو کتابوں سے اخذ کردہ معلومات کی روشنی میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں (سنّی اور شیعہ سمیت) کی مذہبی رسومات اور تقریبات کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ تقریبات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، جو قمری اور شمسی مہینوں کے اعتبار سے منائی جاتی ہیں۔ اول الذکر تقریبوں میں محرم، آخری چار شنبہ، بارہ وفات (جشن ولادت حضور اکرمؐ)، عرس شاہ مدار، نفل روزہ بیاد جلال بخاری، ولادت حضرت علیؓ، شب برات، ماہ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ثانی الذکر تقریبوں میں عرس سالار مسعود غازی (بہرائچ)، عید خضرؑ، عرس گوگا (ظاہر پیر) شامل ہیں۔ اسی مضمون کے دوسرے حصے میں اکیس مسلمان اولیائے کرام کے مختصر حالات زندگی دیئے گئے ہیں۔ گارسیں دتاسی کے اس مضمون کے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

الف) اپنے دور کے بعض مغربی سیاحوں اور ہند شناسوں کے برعکس گارسیں دتاسی نے اس بات پر خاصا زور دیا ہے کہ ہندوستان میں صرف ہندو ہی نہیں بستے، بلکہ یہاں مسلمانوں کی بھی بڑی تعداد آباد ہے اور وہ اپنی زبان، تاریخ اور تہذیب کے اعتبار سے ہندوؤں سے بالکل الگ قوم ہے۔ اہل مغرب میں گارسیں دتاسی پہلا شخص ہے، جس نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو تہذیبی اعتبار سے دو مختلف قومیں قرار دیا ہے۔

ب) مسلمان تو دنیا کے بیشتر ممالک میں آباد ہیں، لیکن ہندوستانی سلمان ان سے خاصے مختلف دکھائی دیتے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہاں کے مسلمانوں کے رہن سہن، رسم و رواج، مذہبی معتقدات اور تقریبات پر گہرے مقامی اثرات دکھائی دیتے ہیں اور یہ نتیجہ ہے، صدیوں مسلمانوں اور ہندوؤں کے ایک ساتھ رہنے کا۔ گارسیں دتاسی کو اس بات کا بھی احساس ہے کہ ان رسومات کا قرآنی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں اور یہ اسلام کے اساسی عقائد سے بھی متصادم ہیں، لیکن ہندوؤں کے ساتھ برسوں کے میل جول سے یہ مقامی رنگ اتنی مضبوط جڑیں پکڑ چکا ہے کہ اب انھیں اکھاڑ ناممکن نہیں۔ یوں گارسیں دتاسی نے ہند اسلامی تہذیب کے مختلف مظاہر کو ظاہر کیا ہے اور ان دور رس اور دیرپا اثرات کی بھی نشاندہی کی ہے، جو اسلامی اور ہندی تہذیبوں پر مثبت یا منفی انداز سے مرتسم ہوئے ہیں۔

موضوعاتی اعتبار سے گارسیں دتاسی کے اس اہم ترین مضمون کا انگریزی ترجمہ تقریباً اصل فرانسیسی مضمون کے ساتھ ہی ایک الگ مجلّہ میں شائع ہوگیا تھا،[29] لیکن اب اس کا انگریزی ترجمہ کتابی صورت میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس کے مترجم جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) کے استاد (انگریزی) محمد وسیم ہیں۔[30] مترجم نے صرف خود کو ترتیب و ترجمہ ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اسی موضوع پر دو اہم انگریزی کتب پر جو گارسیں دتاسی کے زیر نظر مضمون کے ایک سال بعد طبع ہوئیں[31]، گارسیں کے تبصروں[32] کا انگریزی ترجمہ بھی ساتھ ہی شامل کر دیا ہے۔

دور حاضر کے فرانسیسی مستشرق مارک گابوریو (Marc Gaborieau) نے گارسیں دتاسی کے اسی مضمون کے ایک حصہ کو موضوع بحث بنایا ہے جو مسلمان اولیاء، فقراء اور ان کے مزارات سے تعلق رکھتا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔[33]

گارسیں دتاسی پر مقالاتِ خصوصی برائے ڈاکٹریٹ

اب تک گارسیں دتاسی پر پی ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کرنے والوں کی تعداد چار ہے۔ ان میں دو خواتین ہیں اور ان کا تعلق فرانس سے ہے، لیکن انھوں نے اپنے مقالات کراچی اور دہلی کی یونیورسٹیوں میں پیش کیے۔ ان دونوں خواتین نے گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' کے اردو ترجمہ اور اس کے بیشتر حصوں کو تنقید و تجزیہ کا موضوع بنایا۔ پاکستانی اسکالر نے گارسیں دتاسی کے ''خطبات'' پر مقالہ سپرد قلم کیا، جبکہ بھارت کی ایک مسلمان خاتون نے فرانس جا کر اپنی تحقیقات مکمل کیں اور گارسیں دتاسی کے سوانحی کوائف اور اس کی تصنیفات پر مبسوط مقالہ (بزبان فرانسیسی) برائے ڈاکٹریٹ مکمل کیا۔ ان چار اسکالروں میں اس خاتون کو سب سے پہلے گارسیں دتاسی پر پی ایچ۔ ڈی کی اعلیٰ علمی سند حاصل

کرنے کا بھی اعزاز حاصل ہے، چناں چہ ان سند یافتگان میں سب سے پہلے اسی کے مقالے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس خاتون اسکالر کا نام ثریا حسین (سابق پروفیسر وصدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ہے۔ وہ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء پیرس میں مقیم رہیں اور وہیں کی سوربون یونیورسٹی سے تین ہند شناسوں اور ایران شناسوں (آنری ماسہ، لوئی رینو اور ژان فلیوزا) کی زیر نگرانی اپنا مقالہ مکمل کیا جو پانڈیچری کے فرنچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔[۳۴] تقریباً دو دہائیوں بعد انھوں نے خود ہی اپنے اس فرانسیسی مقالے کو اردو میں منتقل کیا۔[۳۵] اس کتاب کو دو فصول بعنوان ''حیات گارسیں دتاسی'' اور ''دتاسی کے علمی کارنامے'' میں تقسیم کیا گیا ہے اور فصل دوم چار ذیلی عنوانات (اردو زبان وادب، تراجم، عمرانیات و اسلامیات اور متفرق مطبوعات) پر مشتمل ہے۔ آخر میں چند ضمائم ہیں جن میں گارسیں دتاسی کی غیر مطبوعہ تحریروں کا اردو ترجمہ، مکمل فہرست کتب و مقالات گارسیں دتاسی اور اس کے نجی کتب خانہ کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ بلاشبہ ثریا حسین کی یہ علمی کاوش گارسیں دتاسی جیسے محسن اردو کے سوانحی کوائف اور اس کے تصنیفی کارناموں سے آ گاہی کے لیے بنیادی حیثیت کی حامل ہے اور یہ اس فرانسیسی اردو داں کی زندگی اور علمی سرگرمیوں کے تمام پہلوؤں کا عالمانہ اور محققانہ سطح پر احاطہ کرتی ہے۔

جس زمانے میں ثریا حسین پیرس میں اپنا مقالہ خصوصی مکمل کر رہی تھیں، اس وقت ایک فرانسیسی خاتون سکستن لیلیان نازرو کراچی میں گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' (طبع ثانی) کا اردو ترجمہ کرنے میں مصروف تھی۔ محترمہ نازرو (Nazroo) نے ترجمہ کے ساتھ جا بجا تنقیدی حواشی بھی لکھے ہیں۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی زیر نگرانی مکمل ہوا اور جامعہ کراچی کی جانب سے موصوفہ کو ڈاکٹریٹ کی سند حاصل ہوئی (۱۹۶۰ء)۔ نصف صدی گزر گئی لیکن ابھی یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا۔[۳۶]

ڈاکٹر معین الدین عقیل، جن کے پاس اس ترجمے کا مکمل مسودہ محفوظ ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''مترجمہ نے متن کے ترجمے کے ساتھ ساتھ حواشی بھی تحریر کیے اور کچھ اضافی اور تازہ معلومات سے کام لیا اور مطالب اور مباحث کی تفصیلات کو حذف کر کے محض بنیادی معلومات تک ترجمہ کو محدود رکھا ہے اور پھر ہندی زبان وادب سے متعلق تمام موضوعات بھی حذف کر دیے جو اصل کتاب کا ایک شریک حصہ تھے۔ چناں چہ انھوں نے یہ ترجمہ کتاب کے عنوان سے ہندوی کا لفظ حذف کر کے کیا۔ واضح رہے کہ گارسیں دتاسی اردو کے لیے ''ہندوستانی'' کا لفظ استعمال کرتا رہا ہے۔''[۳۷]

گارسیں دتاسی پر ڈاکٹریٹ کے تیسرے مقالے کا موضوع ''خطبات گارسیں دتاسی'' ہے۔ سید سلطان محمود حسین نے یہ مقالہ لکھ کر سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی (۱۹۷۶ء)۔ اس کا کچھ حصہ بعنوان ''تعلیقاتِ خطباتِ گارساں دتاسی'' شائع ہو چکا ہے۔[۳۸] اس کے پیش لفظ میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں:

> ''یہ مقالہ بہت ضخیم اور بسیط تھا اور اس کی اشاعت ہمارے ملک کے محدود وسائل کی وجہ سے بہت مشکل تھی۔ تاہم اس کے حواشی اور تعلیقات اجمالی طور پر شائع کرنا ممکن نہ ہو سکا۔''

ابتدائی پچاس صفحات گارسیں دتاسی کی زندگی اور اس کی تصانیف پر لکھے گئے ہیں اور تمام تر پیش کردہ معلومات ثانوی مآخذ پر مشتمل ہیں۔

دیکھا جائے تو اردو کے نامور محقق قاضی عبدالودود نے ان ''خطبات'' کو اپنے مخصوص انداز تحقیق کا ہدف بنایا اور گارسیں دتاسی کی غلطیوں اور لغزشوں پر سخت گرفت کی۔[۳۹] فی الواقع یہ مقالۂ خصوصی قاضی موصوف کی تحقیقات ہی کا تسلسل ہے، لیکن رطب و یابس سے معمور۔

ایک سال بعد یعنی ۱۹۷۷ء میں ایک فرانسیسی خاتون اسکالر نے گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' کا چار جلدوں میں جائزہ لیا(بزبان انگریزی)۔ڈاکٹریٹ کے اس مقالے کا ایک نسخہ دہلی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۴۰]

اقبال اور گارسیں دتاسی:

اقبال فرانس کے فلسفیوں اور اسلام شناسوں کے افکار اور تحقیقات سے بخوبی آگاہ تھے، چناں چہ جب وہ پیرس گئے، تو خصوصی طور پر برگساں اور لوئی ماسینیوں سے ملنے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔وہ یورپی مستشرقین بالخصوص جرمن تاریخ استشراق اور جرمن ادبیات کی ''تحریک مشرقی'' پر گہری نظر رکھتے تھے، جس کا ثبوت ''پیام مشرق'' کا دیباچہ ہے، لیکن حیرت ہے کہ وہ گارسیں دتاسی اور اس کی اردو خدمات سے بھی واقف تھے، حالاں کہ ان کی سوانحی کتب وغیرہ میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں کیا گیا۔اس ضمن میں ایک ہی روایت دستیاب ہے، جو میاں محمد بشیر کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے۔وہ اپنے ایک مضمون ''اقبال کی یاد میں'' میں رقم طراز ہیں:

> ''والد مرحوم [جسٹس شاہ دین] کی وفات کے چند سال بعد جب دسمبر ۱۹۲۱ء میں مَیں رسالہ ''ہمایوں'' جاری کرنے کی تیاری کر رہا تھا تو میں ان [اقبال] کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک نظم کے لیے درخواست کی۔سن کر کہا کہ ''تم رسالہ کیا نکالتے ہو۔اردو کے رسالے تو نکلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔تم اردو لٹریچر کے لیے کوئی اور زیادہ مفید کام کرو۔'' میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ''تم فرانسیسی زبان سے واقف ہو۔گارساں دتاسی کی تصانیف کو اردو میں منتقل کر دو''، مگر میرے دماغ میں رسالے کا شوق سمایا ہوا تھا۔''[۴۱]

اس اقتباس کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ۱۹۳۰ء کے بعد انجمن ترقی اردو (ہند) نے ''خطبات گارساں دتاسی''، ''مقالات گارساں دتاسی'' (دو جلد) اور ''گارساں کے تمہیدی خطبے'' یکے بعد دیگرے شائع کیے، وہ درحقیقت علامہ اقبال کی خواہش ہی کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

گارسیں دتاسی کے ہندوستانی ملاقاتی:

گارسیں دتاسی زندگی میں ایک بار بھی ہندوستان نہیں آیا اور ان دنوں جن معدودے چند ہندوستانی اصحاب کو سفر یورپ کا موقع ملتا تھا، ان میں بیشتر انگلستان ہی کا رخ کرتے تھے۔کبھی کبھار ان مسافروں کو لندن جاتے ہوئے چند روز کے لیے پیرس میں ٹھہرنا پڑتا اور ان میں سے کوئی ایسا صاحب ذوق اور علم دوست شخص ہوتا، جو گارسیں دتاسی سے ملنے کے لیے کچھ وقت نکال لیتا۔اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سر سید احمد خاں اپنے چھوٹے فرزند سید محمد محمود کے ہمراہ لندن جاتے ہوئے پیرس ٹھہرے (۱۸۶۹ء) لیکن گارسیں دتاسی سے ملاقات نہ کر سکے۔البتہ تین سال بعد (۱۸۷۲ء) جب سید محمد محمود دوبارہ اکیلے پیرس گئے تو گارسیں دتاسی سے ملے اور ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا اور اپنی ''تاریخ'' کا نیا ایڈیشن جو ایک سال قبل (۱۸۷۱ء) میں شائع ہوا تھا، ان کو تحفتاً پیش کیا۔گارسیں دتاسی اپنے ایک خطبہ (بابت ۱۸۷۲ء) میں اس ملاقات کا یوں ذکر کرتا ہے:

> ''سید احمد خاں کے فرزند سید محمود نے لندن اور کیمبرج میں اپنی تعلیم مکمل کر لی ہے اور وہ بیرسٹری کی ڈگری لے کر ہندوستان واپس گئے ہیں۔جب وہ واپسی پر پیرس میں ٹھہرے تھے تو اس وقت مجھے ان سے ملنے کے متعدد مرتبہ موقعے ملے اور ان سے بہت دلچسپ گفتگوئیں رہیں۔اس نوجوان فاضل شخص کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک درس گاہ قائم کی جائے جو کیمبرج کے نمونہ کی ہو۔''[۴۲]

گارسیں دتاسی سے ملنے والی دوسری شخصیت مولوی مسیح الدین خاں رئیس کاکوری تھی۔[۴۳] الحاق اودھ (۱۸۵۶ء) کے بعد آخری

تاجدار واجد علی شاہ اختر کلکتہ سدھارے اور وہاں مٹیا برج میں ایک نیا لکھنؤ بسا لیا۔ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو واگزار کرانے کے لیے ایک وفد انگلستان بھجوایا، جس کے سربراہ یہی مسیح الدین کاکوری مقرر ہوئے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب تو نہ ہو سکے، البتہ انھیں کچھ سال یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت کا موقع مل گیا۔ انھوں نے اپنے سفری تجربات و مشاہدات کو اپنی کتاب ''سفیر اودھ'' میں قلم بند کیا۔ ان ہی ایام سیاحت میں وہ پیرس بھی گئے اور وہیں گارسیں دتاسی سے بھی ملاقات ہوئی۔[۴۴]

گارسیں دتاسی کے ایک ملاقاتی، معروف قانون دان اور مؤرخ جسٹس سید امیر علی (۱۸۴۸ء-۱۹۲۸ء) تھے، جن کی ''اسپرٹ آف اسلام'' (طبع اول، لندن ۱۸۹۱ء) مقبول ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ وہ اپنی یادداشتوں (بزبان انگریزی) میں گارسیں دتاسی سے ملاقات کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔ متعلقہ اقتباس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

> ''انگلستان سے واپس ہندوستان جاتے ہوئے (اوائل ۱۸۷۳ء) میں چند روز کے لیے پیرس ٹھہرا اور عظیم مستشرق موسیو گارسیں دتاسی اور چند دیگر احباب نے، جن سے میں لندن میں مل چکا تھا، مجھے ملاقات کی دعوت دی۔ دتاسی انتہائی دلکش شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اور اس کی بیٹی دونوں درست اور رواں انگریزی میں گفتگو کر سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود اس نے اردو میں بات چیت کرنے کو ترجیح دی۔ شاید وہ یوں اپنی فطری خواہش کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ اسے اس زبان پر کس قدر عبور حاصل ہے۔ میں بہت سے اردو داں انگریزوں سے مل چکا ہوں، لیکن میرے خیال میں وہ گارسیں دتاسی جیسی شستہ اور رواں اردو نہیں بول سکتے۔
>
> ایک روز دوپہر کے کھانے کے بعد گارسیں دتاسی نے اپنا خاصا بڑا ذاتی کتاب خانہ دکھایا۔ اس دوران میں وہ متواتر اردو اشعار سناتا رہا۔ ان میں زیادہ تر اشعار سوداؔ اور اس کے دوست اور مدمقابل آتشؔ کے زور قلم کا نتیجہ تھے۔''[۴۵]

گارسیں دتاسی نے بھی اس ملاقات کا ذکر کیا ہے:

> ''جب وہ [امیر علی] ہندوستان جا رہے تھے تو راستے میں پیرس میں مجھے ان سے گفتگو کا موقع ملا اور اس زبان کے متعلق میرے خیالات میں جس پر بہت سے لوگ اعتراض کرتے ہیں، ان کے مباحث کی وجہ سے بہت تقویت پہنچی۔''[۴۶]

ہندوستان میں مقیم گارسیں دتاسی کے یورپی اطلاع کنندگان:

گارسیں دتاسی کے خطبات اور مکتوبات سے پتا چلتا ہے کہ اس کا حلقہ احباب دور دراز کے ممالک تک پھیلا ہوا تھا، بالخصوص انگلستان اور ہندوستان کے خاور شناسوں، اہل ذوق اور ارباب علم و دانش سے اُس کا مراسلت کا سلسلہ برسوں چلتا رہا۔ یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ اس باقاعدگی اور مستقل مزاجی سے ہندوستان کے علم و ادب کے قدر دانوں، اخبارات و جرائد کے مدیران، ناشرین کتب اور شعبہ تعلیم کے ماہرین سے اپنا تعلق مستحکم کیا اور ان کی ارسال کردہ معلومات سے استفادہ کرتا رہا۔ علاوہ ازیں اس کے مکتوب الیہوں میں فرانس اور انگلستان کے کچھ ایسے ذی علم اصحاب بھی شامل تھے، جو عرصۂ دراز سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں فرائض منصبی ادا کر رہے تھے اور گارسیں دتاسی کی فرمائش پر مطلوبہ معلومات، کتب، رسائل اور بسا اوقات خطی نسخوں کی نقلیں تیار کرا کے بھجوایا کرتے تھے۔ وہ گارسیں دتاسی کے علمی استفسارات کا بڑی تلاش و جستجو اور کاوش سے جواب دیتے تھے۔ اس کے ایسے چند رفقائے کار کا سطور ذیل میں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

۱) فیلکس بوترو (Félix Boutros) ۔ جائے ولادت ''مین'' (فرانس۔ نوجوانی میں اپنے کسی قریبی عزیز کے بلاوے پر ہندوستان چلا آیا۔ مقامی لوگوں سے میل جول کے سبب بہت جلد اردو زبان سیکھ لی اور بولنے اور لکھنے پڑھنے میں یہی زبان اس کا ذریعہ اظہار تھی۔ ۱۸۳۴ء میں وہ درس وتدریس کے پیشے سے منسلک ہوگیا اور چند سالوں مین اس شعبے کے جانے پہچانے مدرسین میں شمار ہونے لگا۔ جب اضلاع شمالی ومغربی کے لفٹنٹ گورنر جیمز تھامسن (James Thomsan) نے دہلی کالج کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا، تو اس درس گاہ کے لیے سیکرٹری کا عہدہ ختم کرنے اور اس کی جگہ پرنسپل مقرر کرنے کی تجویز پیش کی، چنانچہ اس کالج کا پہلا پرنسپل بوترو مقرر ہوا اور وہ چار سال (۱۸۴۱ء-۱۸۴۵ء) اسی عہدے پر کام کرتا رہا۔ اس کے دور پرنسپلی کا اہم ترین کارنامہ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے جنوبی ایشیا میں یہ پہلا ادارہ ہے، جس کا اولیں مقصد انگریزی کی اہم سائنسی، فنی اور علمی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنا اور ان تراجم کے ذریعہ یورپ کے ''علوم مفیدہ'' کو مقامی لوگوں میں متعارف کرانا تھا۔ ان ہی ''علوم مفیدہ'' کے فروغ اور انہیں مقبول عام بنانے کے لیے ''انجمن پنجاب'' (لاہور، سنہ تاسیس ۱۸۶۵ء) اور سرسید احمد خاں کی تشکیل کردہ سائنٹفک سوسائٹی غازی پور، علی گڑھ (سنۂ تاسیس ۱۸۶۴ء) کوشاں رہیں اور انہی کو اپنے اغراض ومقاصد کا حصہ بنایا۔ مزید یہ کہ بوترو نے اردو تراجم کے جو اصول وضع کیے، وہ کم وبیش وہی ہیں، جن پر اسی مقصد کے تحت بنائے گئے اداروں مثلاً دارالترجمہ (حیدرآباد دکن)، مجلس زبان دفتری (لاہور)، ادارہ تالیف ترجمہ (پنجاب یونیورسٹی) ادارہ تصنیف و تالیف وترجمہ (جامعہ کراچی) وغیرہ نے عمل درآمد کیا۔

۱۸۴۵ء میں خرابیٔ صحت کی وجہ سے بوترو واپس فرانس چلا گیا۔ وہاں انجیرس (Angiers) شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو شادی کر لی۔ ایک لڑکا پیدا ہوا۔ کچھ دیر بعد پھر بیمار پڑا اور اسی شہر میں وفات پا گیا (مئی ۱۸۶۴ء)۔[۴۷]

گارسیں دتاسی سے نہ صرف بوترو کی دوستی تھی، بلکہ وہ اسے نایاب کتابوں کی نقول فراہم کرتا تھا اور اس کے کئی منصوبوں میں شریک رہا۔ مثلاً سرسید احمد خاں کی ''آثار الصنادید'' کے ملخص فرانسیسی ترجمہ (پیرس ۱۸۶۱ء) کی نظر ثانی مترجم یعنی گارسیں دتاسی کی فرمائش پر بوترو نے کی۔ بوترو کی ایک انگریزی کتاب (سیرام پور، ۱۸۴۲ء) پر دتاسی گارسیں نے تبصرہ کیا۔ بوترو کے نجی کتاب خانہ میں اردو کی بعض کتابوں کے مخطوطات اور نایاب مطبوعات موجود تھیں، جن سے گارسیں دتاسی بوقت ضرورت استفادہ کرتا رہتا تھا، مثلاً تذکرۂ ذوق دہلوی اور مصطفیٰ خاں شیفتہ کا تذکرہ ''گلشن بیخار'' (مکتوبہ ۱۸۳۵ء)، جو گارسیں دتاسی کو بھجوایا گیا۔[۴۹] اسی طرح ''حدائق البلاغت'' کے اردو ترجمہ از امام بخش صہبائی (دہلی، ۱۸۴۲ء) کی ایک نقل خصوصاً گارسیں دتاسی کے لیے تیار کرا کے انھیں ارسال کی گئی۔ ویسے بھی یہ ترجمہ بوترو ہی کی فرمائش پر کیا گیا، جیسا کہ مترجم نے ابتدا میں خود اس بات کا اعتراف کیا ہے:

> ''بوترس صاحب...... ارشاد کیا کہ اگر یہ نسخہ فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا جاوے اور اس میں عربی اور فارسی کی جگہ اردو اور زباندانی ہند کے مندرج ہوں تو ان لوگوں کے واسطے کہ اردو اشعار سے ذوق رکھتے ہیں...... بہت مفید ہوگا۔ اس واسطے اس خاکسار نے بموجب اس کے کہ المامور معذور باوجود کمی استعداد کے تقدیم امر میں سعی کر کے اس رسالہ کو ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں مرتب کیا۔''[۵۰]

اسی طرح امام بخش صہبائی ''انتخاب دواوین'' کے شروع میں لکھتے ہیں:

> ''...... ناچار شائقین سخن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ صاحب والا مناقب حاکم بلند مناصب داور عدل گستر بوترس صاحب بہادر پرنسپل کے ارشاد سے دواوین اردو میں سے ہر صنف کے اشعار انتخاب ہو کر ایک

مجموعہ مرتب ہوا کہ ناظرین کو اکثر شعرا کے کلام سے ایک جائے میں احتظاظ وافر اور التذاذ تکاثر حاصل ہو......''[51]

۲) شارل دوشوا (Charles d'Ochoa)۔[52] گارسیں دتاسی کا ہموطن اور شاگرد۔ فرانس کے کسی سوانحی انسائیکلوپیڈیا میں اس کا نام موجود نہیں، اس لیے شارل کے تفصیلی حالات زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔

گارسیں دتاسی اپنے ایک خطبہ (بابت ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء) میں بتاتا ہے کہ ''خیراشاہ کا بارہ ماسا پھر دوبارہ آگرہ میں طبع ہوا ہے۔ یہ کتاب اچھی خاصی مشہور ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ میرے شاگرد Ch. d'Ochoa ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس وقت یہ نسخہ شاہی کتب خانے میں موجود ہے۔[53]

مختلف ہندوستانی مطابع سے عربی، فارسی اور اردو مطبوعات (مابین ۱۸۱۶ء-۱۸۴۸ء) سے متعلق شارل نے جو رپورٹیں بھجوائی تھیں، ان کی بنیاد پر رینو (J. Reinaud) نے ایک فہرست مرتب کی تھی، جس میں شارل کو بلاد مشرق میں سرگرم فرانس کے ایک سائنسی مشن کا رکن بتایا گیا ہے۔

آغا افتخار حسین کے مطابق دوشوا ایک سائنسی مشن کا سربراہ تھا اور اسے حکومت فرانس کے وزیر تعلیم نے ۱۸۴۳ء میں ہندوستان بھیجا تھا۔ اس نے قواعد اردو لکھنا شروع کی تھی، لیکن صرف ایک صفحہ ہی لکھ سکا۔ دشوا کی ایک نوٹ بک قومی کتب خانہ (پیرس) میں محفوظ ہے، جس میں اس نے اردو کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔[54]

گارسیں دتاسی ''تاریخ'' میں موتی رام کی ''مادھونل'' کے تحت لکھتا ہے کہ ''میرے دوست شارل وشوا نے ہندوستان سے اطلاع دی ہے کہ اس کتاب کا ایک مخطوطہ دیوناگری رسم الخط میں ہے۔ اب یہ قلمی نسخہ پیرس کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔''[55]

فرانس کے قومی کتب خانہ میں جو اردو مخطوطات محفوظ ہیں، ان میں کچھ شارل ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ بعض قلمی نسخوں پر اس نے مفید حواشی بھی قلمبند کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اردو زبان سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ نادر قلمی نسخے جمع کرتا رہتا تھا۔ ایسے ہی چند خطی نسخوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

مخطوطہ نمبر ۸۳۲ (اوراق ۳۰۳) اس میں شارل نے اردو اور فرانسیسی میں حواشی لکھے ہیں۔ ان میں اردو کے روزمرہ استعمال ہونے والے محاورات مع فرانسیسی ترجمہ دیئے گئے ہیں۔ صفحہ ۲۳۸ پر ایک مختصر فرانسیسی نوٹ میں مشرقی زبانوں کے نظام اعراب وعلامات کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۱۴۸ سے پتہ چلتا ہے کہ شارل نے قواعد اردو لکھنا شروع کی تھی، لیکن وہ اس کا صرف ایک صفحہ ہی لکھ سکا، جس میں وہ ہندوستانی زبان، جو اردو، ہندی اور ریختہ کے ناموں سے بھی موسوم ہے، اصل ہندی اور برج بھاشا کو قرار دیتا ہے۔ بقول اس کے ''ہندوستانی ایک جدید دکنی زبان ہے، جو عربی (فارسی) اور دیوناگری دونوں رسم الخطوں میں لکھی جاتی ہے، لیکن زیادہ تر عربی رسم الخط مستعمل ہے۔ دیوناگری رسم الخط صرف برج بھاشا اور ہندی بولیاں لکھنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔''

مخطوطہ نمبر ۸۳۸، مکتوبہ انیسویں صدی عیسوی، یورپی کاغذ۔ صفحات ۲۰۰، ۹ سطور فی صفحہ۔

یہ قلمی نسخہ بھی شارل کے کتب خانہ کی ملکیت تھا۔ اس میں چار قلمی تحریریں ہیں:

الف) الفبائی ترتیب میں فارسی اور اردو کتب کی فہرست۔ (مرتبہ شارل)۔

ممکن ہے، یہ فہرست گارسیں دتاسی کے لیے تیار کی گئی ہو۔

ب) بیجاپور کے سرکاری کتب خانہ کی فہرست (مرتبہ شارل)

اس کے شروع میں یہ عبارت مرقوم ہے:

''فہرست کتب خانہ حضرت آثار قدس انوار بلدہ دارالظفر بیجاپور، بمعرفت شیخ محمد متولی و محمد علی...... و محمد مراد مشرف و خواجہ عنبر تحویل دار واقعہ بتاریخ ۷ ماہ ربیع الاول ۱۵ جلوس والہ نوشتہ شد۔''

ج) اس کتب خانہ کی فہرست جو ۱۸۲۳ء میں برکنز کو فراہم کی گئی (مرتبہ شارل)

اس فہرست کا آغاز:

''فہرست کتب خانہ حضرت آثار قدس انوار بلدہ دارالظفر بیجاپور بتاریخ نہم شہر ربیع الثانی ۱۲۳۹ ہجری در وقت ریسندنت برکنز صاحب بہادر''

ان تین فہارس کے بعد میر علی شیر قانع ٹھٹوی کی ''تحفۃ الکرام'' کی فہرست اسماء اور پھر میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان''۔

مخطوطہ نمبر ۸۴۵ (ہندوستانی ۲۰۶)۔ دیوان عاجز۔ مکتوبہ اٹھارویں صدی عیسوی۔ خط نستعلیق۔ ۱۲۴ صفحات۔ ۱۴ سطور فی صفحہ۔ یہ نسخہ پہلے شارل کے کتب خانہ کی زینت تھا۔

مخطوطہ نمبر ۸۴۶ (ہندوستانی ۲۰۷)۔

انیسویں صدی عیسوی کے مختلف اردو شعراء کے کلام کا مجموعہ۔ صفحات ۵۳۔ فی صفحہ ۱۵ سطور۔

مخطوطہ نمبر ۸۴۷ (ہندوستانی ۲۰۸)۔ دیوان علیم اللہ شاہ۔

مکتوبہ ۱۸۴۱ء۔ خط نستعلیق۔ یورپی کاغذ۔ ۱۹۶ اوراق۔ فی صفحہ ۹ سطور

مخطوطہ نمبر ۸۴۸ (ہندوستانی ۲۰۹)۔

مختلف شعراء کی نظمیں اور گیت۔ مکتوبہ انیسویں صدی عیسوی۔ خط نستعلیق۔ یورپی کاغذ۔ ۳۲۲ صفحات۔ فی صفحہ ۱۲ سطور۔

مخطوطہ نمبر ۸۴۹ (ہندوستانی ۲۱۰)۔

قصہ بے نظیر و بدر منیر (یعنی مثنوی سحر البیان) از میر حسن۔ مکتوبہ ۱۸۱۵ء۔ خط نستعلیق۔ یورپی کاغذ۔ ۲۱۶ صفحات۔ فی صفحہ گیارہ اشعار۔

مخطوطہ نمبر ۸۵۲ (ہندوستانی ۲۱۳)۔ بزبان اردو۔ مکتوبہ انیسویں صدی عیسوی۔ خط نسخ۔ صفحات ۲۲۴۔ فی صفحہ ۱۱ سطور۔

مخطوطہ نمبر ۸۸۴ (سنسکرت دیوناگری ۲۳۰)۔ کلپا سوترا۔ جینی پراکرت میں۔ شارل کے لیے نقل کرائی گئی۔ ''مہاویر کی وفات کے بعد ہمارے دور (پٹاولی) تک کے جینیوں کے بڑے روحانی پیشواؤں کے حالات''۔ ناگری متن کے ساتھ لاطینی رسم الخط۔ جدید نسخہ، جو ۱۶۴۳ء کے مکتوبہ نسخے سے تیار کیا گیا۔ ناگری خط۔ یورپی کاغذ۔ صفحات ۲۷۳۔ فی صفحہ ۲۳ سطور۔

۳) ناتانیل بلاں (Nathaniel Bland، ۳ فروری ۱۸۰۳ء - ۱۰ اگست ۱۸۶۵ء)۔

بک لینڈ کے مطابق اس نے اپنی ابتدائی تعلیم اٹین (۱۸۱۸ء) اور کرائسٹ چرچ (آکسفورڈ) میں مکمل کی۔ (۱۸۲۱ء - ۱۸۲۵ء) فارسی زبان و ادبیات سے گہرا شغف رکھتا تھا۔ اس کے بیشتر مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلّہ میں شائع ہوتے رہے

(۱۸۴۳ء-۱۸۵۳ء)۔ جوا کھیلنے کا شوقین تھا۔تمام جائداد اسی کھیل کی نذر کر دی۔ بالآخر خودکشی کر لی۔ [۵۶]

بلاں کی وفات سے ایک سال بعد یعنی ۱۸۶۶ء کے ایک خطبہ میں گارسیں دتاسی اس کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

> ''بلاں کا انتقال امبورلے بین (Hambourg les-Bains) میں ہوا، جہاں وہ عزلت گزینی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے ڈنکن فوربز (Duncan Forbes) کی شاگردی اختیار کی اور فارسی اور اردو کی تحصیل کی۔ اس کے بعد وہ میرے درسوں میں شریک رہے اور پھر کچھ دنوں کے لیے لندن چلے گئے تھے۔ ان کا بہت دنوں سے یہ ارادہ تھا کہ ادب فارسی کی ایک تاریخ لکھیں لیکن موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس خیال کو عمل میں لا سکتے۔ انھوں نے فارسی شعراء کے تذکرے ''آتش کدہ'' پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ میں نے انھیں سوؔدا کے قلمی نسخے کے بدلے میں دیا تھا۔ اس کے علاوہ نظامی کے ''مخزن الاسرار'' کا ایڈیشن انھیں کی مساعی کا رہین منت ہے۔ آپ نے ہندوستان کے سب سے قدیم شاعر مسعود بن سعد کے کلام پر بھی تبصرہ کیا ہے۔'' [۵۷]

بلاں نے ایک انگریزی کتاب بعنوان ''ایرانی شطرنج'' (باتصویر) لکھی (لندن ۱۸۵۰ء) جس پر گارسیں دتاسی نے تبصرہ کیا (در: ژورنال ازیاتک، بابت مارچ، اپریل ۱۸۵۱ء، ص ۴۸۵-۴۸۹)۔ اس تبصرے میں شطرنج سے متعلق عربی اور فارسی کی پانچ کتابوں سے معلومات درج کی گئی ہیں۔ [۵۸]

انیسویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں ایک دلچسپ علمی بحث کا آغاز ہوا اور اس کا مرکز ومحور یہ سوال تھا کہ ہندوستانی یعنی اردو کا اولیں شاعر کون تھا؟ حیرت ہے کہ اس بحث میں حصہ لینے والے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے علاوہ فرانسیسی اور جرمن مستشرقین بھی شامل تھے۔ اس بحث کو شروع کرنے والا گارسیں دتاسی تھا، جس نے سعدی کی سیاحت ہندوستان اور شاہ محمد کمال کے تذکرہ ''مجمع الانتخاب'' میں درج کردہ اشعار کی بنا پر سعدی ہی کو اردو کا پہلا شعر قرار دیا۔ [۵۹] معروف جرمن خاور شناس اور دہلی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اشپرینگر (م۔۱۸۹۳ء) نے شاہان اودھ کے کتب خانوں میں محفوظ بعض مخطوطات کے پیش نظر گارسیں دتاسی کے اس دعویٰ کو رد کرتے ہوئے استفہامیہ عنوان کے تحت مضمون لکھا ''کیا سعدی نے ریختہ اشعار کہے؟'' [۶۰] ان مضامین کے مندرجات بالخصوص گارسیں دتاسی کے نتائج تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے بلاں نے ایک مضمون بشکل خط گارسیں کو ارسال کیا، جس میں اس نے سعدی کے بجائے مسعود سعد سلمان کو اردو کا پہلا شاعر قرار دیا۔ [۶۱] اس نے اپنے دعویٰ کی بنیاد امیر خسرو کی ''غرۃ الکمال'' اور عوفی یزدی کے تذکرہ ''لباب الالباب'' پر رکھی۔ ان تصانیف میں مسعود سعد سلمان لاہوری کے ''دیوان ہندوی'' کا حوالہ موجود ہے، لیکن بدقسمتی سے اب وہ ناپید ہے۔ تقریباً ڈیڑھ صدی گزر گئی، لیکن اب بھی بلاں کی تحقیق ہی کو حرف آخر مانا جاتا ہے اور اردو زبان و ادب کے مؤرخین اردو کے اولیں شاعر کا سہرا مسعود سعد سلمان ہی کے سر باندھتے ہیں۔ [۶۲] بعد میں گارسیں دتاسی نے بھی اپنی ''تاریخ'' میں بلاں کی تحقیق کو درست تسلیم کر لیا [۶۳] اور جا بجا اس کی تحریروں اور علمی تعاون کے حوالے دیے۔ [۶۴]

۴) فرانسس ٹیلر (م۔۱۸۵۷ء) دہلی کالج کے آغاز (۱۸۲۵ء) سے اختتام (۱۸۵۷ء) تک ٹیلر نام کے تین اشخاص کا بطور سیکرٹری، قائم مقام پرنسپل، ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل ذکر کیا جاتا ہے، یعنی جان ہنری ٹیلر، اس کا بیٹا فریڈرک ٹیلر اور فرانسس ٹیلر، لیکن ان میں مؤخر الذکر ٹیلر ہی گارسیں دتاسی کے قریبی احباب میں شامل تھا۔ یہ وہی شخص تھا، جس کے قتل کے جرم میں محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کو تختہ

دار پر لٹکا دیا گیا۔

گارسیں دتاسی اپنے ایک خطبہ (بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۶ء) میں اس ٹیلر کا یوں ذکر کرتا ہے:

''چند ہفتے ہوئے مسٹر فرانسس ٹیلر نے جو دہلی کے ایک دیسی کالج کے پرنسپل ہیں، مجھے ان ہندوستانی تصانیف کی ایک فہرست بھیجی ہے، جو حال میں سلطنت مغلیہ کی راجدھانی (دلی) میں شائع ہوئی ہے۔ اس فہرست میں چند ایسی کتابوں کا بھی ذکر ہے، جو میں نے اب تک آپ حضرات کو نہیں بتائی ہیں۔

یہ کتابیں اردو ادب کے لیے ایک قابل قدر اضافہ کا حکم رکھتی ہیں''۔[٦٦]

اگلے سال اپنے اس علمی مددگار[٦٧] کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''فرانسس ٹیلر مجھے اکثر و بیشتر شمالی ہند کی ادبی تحریکات سے مطلع کرتے رہے۔ ان پر ادبی مسائل کی فراہمی کے لیے بڑا بھروسہ تھا۔ وہ خط کا جواب پابندی سے دیتے اور جو پوچھا جاتا، اس میں اپنی حتی الامکان تحقیق کرتے۔ وہ ہندوستانی زبان سے بخوبی واقف تھے اور اس کے عالموں سے ان کے دوستانہ مراسم تھے، اس لیے بحث طلب معلومات میں وہ اہل زبان عالموں کی رائے بھی لیتے رہتے تھے۔ اس سے ان کے ادبی و علمی معاون ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔''[٦٨]

۵) سر ولیم میور (۱۸۱۹ء-۱۹۰۵ء)۔ مقتدر انگریز شخصیت اور مؤرخ۔ گارسیں دتاسی ایک خطبہ (بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۶ء) میں بتاتا ہے:

''آگرہ گورنمنٹ نے بھی انسٹی ٹیوٹ آف فرانس کو ۱۷۵ کتابوں کا ایک ذخیرہ تحفتاً بھیجا ہے اور اس میں بھی مجھے چند کتابیں نظر آئی ہیں۔ یہ ذخیرہ میرے قابل فخر احباب مسٹر ولیم میور معتمد حکومت ممالک مغربی و شمالی ہند اور مسٹر ایچ ایس ریڈ، ناظم تعلیمات ممالک مغربی و شمالی کے توسط سے وصول ہوا ہے۔''[٦٩]

برسوں بعد وہ ولیم میور سے پیرس میں ملاقات اور اس کے مالی تعاون کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

''سر ڈبلیو میور جو گورنر جنرل کی کونسل کے رکن مقرر ہوئے ہیں، علاج کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ پیرس سے گزرتے وقت وہ مجھ سے ملنے آئے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ موصوف نے سال رواں میں عمدہ کتابوں کے مصنفوں کی ہمت افزائی کے لیے پانچ ہزار روپے کی رقم عنایت کی ہے۔ ان میں سے سولہ اردو کے اور دو ہندی کے لکھنے والے ہیں۔ ان میں جو کتاب مجھے سب سے زیادہ پسند آئی وہ مولوی نذیر احمد کی ''توبتہ النصوح'' ہے۔''[٧٠]

٦) جی۔ ڈبلیو لائٹنر (۱۸۴۰ء-۱۸۹۹ء)۔ مستشرق اور ماہر تعلیم۔ گورنمنٹ کالج لاہور کا پہلا پرنسپل، اورینٹل کالج کا بانی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور کا رجسٹرار۔

گارسیں دتاسی ایک خطبہ (بابت ۳ دسمبر ۱۸٦٦ء) میں بتاتا ہے کہ ''لاہور سے ایک اور ہندوستانی اخبار بہت عرصے سے شائع ہو رہا ہے، جس کے متعلق مجھے ابھی حال ہی میں ڈاکٹر لیٹنر کے توسط سے معلومات حاصل ہوئی ہیں''۔[٧١] ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ ''یہ معلومات ڈاکٹر لائٹنر کے اس خط سے لی گئی ہیں جو انھوں نے مجھے بھیجا تھا۔''[٧٢]

''سنین اسلام'' (جلد اول) طبع ہوئی (۱۸۷۱ء) تو فی الفور اس کا ایک نسخہ گارسیں دتاسی کو بھجوایا گیا۔ اس نے اسی سال کے خطبے

میں اس پر تبصرہ کیا[۷۳] اور لائٹنر کے ترجمہ کے مخصوص نظریہ کی بھرپور تائید کی۔[۷۴]

۷) ابراہام رچرڈ فلر (Abraham Richard Fuller)۔رائل آرٹلری، بنگال میں بھرتی ہوا (۱۸۴۵ء)۔کیپٹن اور میجر کے عہدوں پر فائز ہوا (بالترتیب ۱۸۵۸ء، ۱۸۶۵ء)۔پنجاب کا ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن تعینات ہوا۔عربی اور فارسی سے دلچسپی رکھتا تھا۔ایچ ایم ایلیٹ کی فرمائش پر عنایت خاں کے ''شاہجہاں نامہ'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔اس کا مسودہ برٹش لائبریری میں محفوظ تھا۔اب امریکی تاریخ دان ہیگلی نے اسے شائع کرادیا ہے۔فلر کی موت پانی میں ڈوبنے سے ہوئی (اگست ۱۸۶۷ء) بعمر اڑتیس سال۔

گارسیں دتاسی اپنے خطبہ (بابت ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء) میں فلر کا یوں ذکر کرتا ہے:

''میرے محترم دوست میجر فلر نے ''پنجاب ایجوکیشنل میگزین'' کے پچھلے نمبر بھیجے ہیں۔''[۷۵]

گارسیں دتاسی کا ذاتی کتب خانہ اس کی وفات کے بعد نیلام ہو گیا، لیکن اس کی کچھ نادر کتب فروخت نہ ہوسکیں اور وہ اب اس کے آبائی شہر مارسیلز کی مونسپل لائبریری میں محفوظ ہیں۔ان میں غالبؔ کی ''قاطع برہان'' (دہلی، صفحات ۱۵۴) کا وہ نسخہ موجود ہے جو مؤلف نے خود میجر فلر کو پیش کیا اور فلر نے بطور تحفہ گارسیں دتاسی کو ارسال کر دیا۔[۷۶]

۸) ای سیسے (E. Sice) گارسیں دتاسی کا شاگرد۔برسوں پانڈیچری میں رہائش پذیر رہا اور وہاں سے اپنے استاد کو وقتاً فوقتاً اخبارات اور مخطوطات بھجواتا رہتا تھا۔اردو جانتا تھا اور جنوبی ہند میں اسے رابطے کی زبان سمجھتا تھا۔[۷۷]

گارسیں دتاسی ایک خطبہ (بابت ۶ دسمبر ۱۸۶۹ء) میں لکھتا ہے:

''میرے پرانے شاگرد مسٹر ای سیسے نے، جو آج کل پانڈیچری میں ہیں، اس [عمدۃ الاخبار، بریلی] کی ایک اشاعت کا نمونہ مجھے بھیجا ہے۔''[۷۸]

''خزانۂ عبادت (مثنوی) از شاہ محمد قادری کا قلمی نسخہ ای سیسے نے پانڈیچری سے ارسال کیا۔''[۷۹]

۹، ۱۰) ڈاکٹر پیٹرکن (Dr. Peterkin) اور سی۔ترال (C. Tarral)۔۱۸۳۳ء میں گارسیں دتاسی نے Rudiments ..... (مبادیات ہندوستانی) کے ساتھ کچھ اردو خطوط بطور نمونہ چھپوائے تھے۔یہ مکاتیب ہندوستان میں مقیم اس کے احباب اور تلامذہ لکھا کرتے تھے۔بعد میں بھی یہ سلسلہ مراسلت جاری رہا۔ان تمام موصولہ خطوط کو اس نے ''ژورنال ازیاتک'' میں مع فرانسیسی ترجمہ شائع کرا دیا۔ان ہی مکتوب نویسوں میں پیٹرکن اور ترال کے نام بھی شامل ہیں۔ایک مختصر نوٹ میں وہ خود لکھتا ہے کہ ''۱۸۳۳ء میں اردو خطوط کا مجموعہ چھپا۔اس کے بعد سے میرے پاس بکثرت دیگر خطوط بھی اس زبان میں جمع ہو گئے ہیں۔فارسی اور ناگری دونوں رسم الخط میں۔بعض لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی نے مجھے تحفتاً دیئے ہیں اور کچھ مختلف لوگوں سے مستعار ملے ہیں، جیسے پیٹرکن......ترال وغیرہ۔میں ان کو انگریزی ترجمے کے ساتھ مستقبل قریب میں چھاپنا چاہتا ہوں اور اس کام میں میرا شاگرد پادری برتراں بھی مجھے مدد دینے والا ہے''۔[۸۰]

ان کے علاوہ گارسیں دتاسی نے ''تاریخ''، خطبات اور مقالات میں چند ایسے باذوق اردو دانوں اور ماہرین تعلیم کا تذکرہ کیا ہے، جو ضرورت پڑنے پر اسے کتابیں، رسالے وغیرہ بھجوایا کرتے تھے۔ان میں سے چند نام یہ ہیں۔ریورنڈ جی۔سمال[۸۱]، سر الیگزینڈر گرانٹ، ڈائریکٹر تعلیمات (۱۸۲۶ء-۱۸۸۴ء)، سر چارلز ٹریولیین (۱۸۰۷ء-۱۸۸۶ء)، میجر جیمز وغیرہ۔[۸۲]

گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' پر معاصرین کے تبصرے:

سطور بالا میں بیان کیا جاچکا ہے کہ گارسیں دتاسی نے ادبیات ہندی و ہندوستانی کی جو جامع تاریخ قلمبند کی، اس کا پہلا ایڈیشن دو

جلدوں پر مشتمل تھا اور اس کے سنین طباعت ۱۸۳۹ء اور ۱۸۴۷ء تھے۔ اس کے بعد گارسیں دتاسی کو ہندوستان اور انگلستان کے مختلف ذرائع سے نئی معلومات حاصل ہوتی رہیں اور وہ انھیں اپنی ''تاریخ'' میں مناسب جگہوں پر شامل کرتا رہا۔ بالآخر یہ اضافات اس قدر بڑھ گئے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن دو کے بجائے تین جلدوں پر پھیل گیا (مطبوعہ ۱۸۷۰ء-۱۸۷۱ء)۔ ہمارے ہاں بیشتر اصحاب علم و فضل نے ''تاریخ'' کی اشاعت ثانی ہی کو تنقید و تحقیق کا ہدف بنایا ہے اور اسی کی کمیوں، کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کو طشت از بام کیا ہے، لیکن یورپ کے بعض علمی مجلّات میں ان دونوں طباعتوں کے منظر عام پر آتے ہی عالمانہ، ناقدانہ اور قدرے محققانہ تبصرے شائع ہونے لگے۔ چوں کہ یہ مغربی رسائل ہمارے کتاب خانوں میں ناپید ہیں، اس لیے ان میں چند سے تبصروں کا مختصر اًذکر کیا جاتا ہے۔

گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' کی اولیں اشاعت کی پہلی جلد (مطبوعہ ۱۸۳۹ء) پر جو تبصرہ شائع ہوا، وہ انگریزی میں بعنوان ''ہندوستانی لٹریچر'' تھا۔ یہ ''دی ایشیاٹک جرنل'' میں طبع ہوا۔[۸۳] مبصر کا نام درج نہیں، لیکن تبصرے کے بعض حصے شاہد ہیں کہ تبصرہ نگار اردو زبان و ادب اور اس کے بعض شعراء کے کلام سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس نے ماہ لقا چندا، مظہر جانجاناں اور ولی کی شاعری پر مختصر تبصرہ کیا ہے اور ان شعراء کے چند اشعار کا انگریزی ترجمہ بھی دیا ہے۔ اس تبصرے کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"There is, however, in the case of de Tassy's work and its reception in the above quarters, a *dignus vindice nodus*, of such a character as places it beyond the emulation of ordinary aspirants. Any thing from his pen, on the subject of oriental literature, must command the attention and respect of all who take an interest in the conduct of the human intellect, cultivated to a high degree, in a nation, and by institutions, cultivated to a high degree, in a nation, and by institutions, equally distant and diverse from those of Europe, and especially of such as appreciate the important relations into which we are now brought with the countless myriads of the southern half of Asia."[۸۴]

''تاریخ'' کی اولیں طباعت کی دوسری جلد ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی اور اس پر یورپ کے تین ممالک (فرانس، جرمنی اور آسٹریا) کے علمی جرائد میں الگ الگ تبصرے کیے گئے۔ ''ژورنال ازیاتک'' میں لانسرو (Ed. Lancereau) نے اس کے مندرجات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اسے اپنے موضوع پر اہم اولیں تصنیف قرار دیا ہے۔[۸۵] مبصر، گارسیں کے قریبی احباب میں شامل تھا اور ہندی سے زیادہ لگاؤ رکھتا تھا۔ گارسیں دتاسی نے زندہ مشرقی زبانوں کا ایک مجموعہ ''ہندی و ہندوی منتخبات'' (پیرس ۱۸۴۹ء) مدرسۂ السنہ شرقیہ کے طلباء کے لیے تیار کرایا۔ اس کے حصہ منظومات کی چوتھی نظم مہابھارت کے ہندی ترجمہ سے شکنتلا کے قصہ پر مبنی ہے، جس کی مفصل لغت لانسرو ہی کی تیار کردہ ہے۔[۸۶] دوسرا تبصرہ جرمنی کی اورینٹل سوسائٹی کے مجلّہ میں شائع ہوا۔[۸۷] تبصرہ نگار نے اپنا نام نہیں لکھا، لیکن اس نے گارسیں دتاسی کی اس علمی کاوش کی داد دی ہے۔[۸۸] تیسرا تبصرہ جرمن بولنے والے ممالک کی تاریخ استشراق کے جدِ اعلیٰ معروف آسٹرین خاورشناس ہامر پورگشتال (۱۷۷۴ء-۱۸۵۶ء) نے کیا۔[۸۹] اس مفصل تجزیہ کا انداز عالمانہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مبصر ایسے فارسی تذکروں پر گہری نظر رکھتا ہے، جن میں نمایاں اردو شعراء کے حالات زندگی اور شعری نمونے منقول ہیں۔ اردو کے آغاز اور اس کے عہد بہ عہد ارتقاء پر فارسی زبان و

ادبیات کے مختلف النوع اثرات کا عمیق جائزہ لیا گیا ہے اور اس تناظر میں گارسیں کی ''تاریخ'' کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔[۹۰]

دہلی کالج کے پہلے پرنسپل اور گارسیں دتاسی کے دوست فیلکس بوترو کا مکتوب

''بوترو کے مکتوب بنام گارسیں دتاسی (دہلی، ۱۹ دسمبر ۱۸۴۱ء) سے اقتباس (اردو ترجمہ):

دہلی کالج کے دو شعبے ہیں۔ ایک میں انگریزی پڑھائی جاتی ہے اور دوسرے میں ہندوستانی اور جدید یورپ کے علوم، نیز دیگر قدیم مشرقی زبانیں یعنی عربی، فارسی اور سنسکرت۔ اساتذہ کی تعداد بیس ہے۔ درجہ دوم کے دو کالج ہیں، ایک میرٹھ اور دوسرا بریلی میں اور یہ دونوں دہلی کالج کے ماتحت ہیں۔

دو تین سالوں میں ہندوستانی زبان خاصی اہمیت اختیار کر گئی ہے اور یہ قدر و منزلت اسے پہلے حاصل نہیں تھی۔ وہ صوبہ بہار اور مغربی صوبجات یعنی راج محل سے کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہردوار تک سرکاری زبان قرار پا چکی ہے۔ یہ زبان ہندوستان کے کونے کونے میں بولی جاتی ہے اور اس کے بولنے والوں کی تعداد کم از کم چالیس ملین کے لگ بھگ ہے۔ انگریزی حکومت نے بھی اسے اپنا لیا ہے۔ عدالتوں اور سرکاری اخباروں میں بھی یہی زبان مستعمل ہے۔

تقریباً چھ ماہ قبل میں نے کالج میں بیس مترجمین کا تقرر کیا ہے اور انہیں جو عربی، فارسی اور سنسکرت کی معروف کتابوں کے علاوہ علوم طبیعی، اقتصادی سیاسیات، تاریخ، فلسفہ اور مروجہ اینگلو انڈین طرز حکومت سے متعلقہ انگریزی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرنے کا فریضہ سونپا گیا ہے۔

رامائن اور مہا بھارت کے ترجمہ میں خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ میں نے ان دونوں مشہور منظومات کا ملخص ترجمہ شروع کرا دیا ہے۔ اس ترجمہ کے بعد ان کتابوں کا متن شائع کرنے کا بھی ارادہ ہے۔''[۹۱]

سوانح گارسیں دتاسی کا ایک ہمعصر فرانسیسی ماخذ

اردو ترجمہ:

''گارسیں دتاسی (ژوزف ہیلیو دوغ)۔ فرانسیسی مستشرق۔ ۲۰ جنوری ۱۷۹۴ء کو مارسیلز میں پیدا ہوا۔ اسی آبائی شہر میں ابتدائی تعلیم مکمل کی اور وہیں عربی زبان سیکھی۔ وہ ۱۸۱۷ء میں پیرس آیا اور یہیں محنت شاقہ اور کامیابی سے السنہ شرقیہ پر عبور حاصل کیا۔ بالخصوص اس نے خود کو ہندوستان کی جدید زبان یعنی ہندوستانی کے لیے مختص کر دیا۔ اس کی تصانیف اور خطبات اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ اسے ہندوؤں کی زبانوں اور ادب پر کس قدر عبور حاصل ہے۔ وہ پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ابتدائی اراکین میں سے ہے۔ وہ لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی کا بھی رکن (غیر ملکی) ہے۔ وہ مروجہ السنہ شرقیہ کے خصوصی مدرسہ میں ہندوستانی کا پروفیسر ہے۔ ۱۸۳۸ء میں اسے اکادمی برائے کتبات و فنون لطیفہ کا تالیراں (Tallyrand) کی جگہ رکن بنایا گیا۔''

[اس کے بعد گارسیں کی تصانیف اور تراجم کی فہرست دی گئی ہے][۹۲]

گارسیں دتاسی اور ایچ۔ ولسن کے مابین مراسلت:

دیکھا جائے تو گارسیں دتاسی کی مکتوب نویسی کا دائرہ خاصا وسیع ہے، بالخصوص انگلستان کے ہند شناسوں، اردودانوں اور ہندوستان کے مقامی علماء کے علاوہ یہاں بہ سلسلہ ملازمت وسیاحت یورپی افراد کے ساتھ اس کا مسلسل رابطہ تھا۔ وہ ہندوستان کبھی آیا نہیں، اس لیے اسے جن معلومات کی ضرورت پڑتی تھی، اس کا واحد ذریعہ یہی خط کتابت تھی۔ اس کے مکتوب الیہوں میں انیسویں صدی عیسوی کے تقریباً سبھی علماء، ادباء، ماہرین لسانیات وہندیات اور مستشرقین شامل ہیں، لیکن ان طبقوں میں جن اصحاب سے اس کے برسوں قریبی روابط قائم رہے، ان میں ایک نام ہوریس ہیمن ولسن (Horace Hayman Wilson، ۱۷۸۶ء-۱۸۶۰ء) کا ہے، جو بنیادی طور پر سنسکرت دان تھا، لیکن ہندشناسی میں وہ صف اول کے متخصصین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے کچھ سال کلکتہ میں بھی گزارے اور یہاں کی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے مقتدر عہدہ داروں میں شامل رہا۔[۹۳]

گارسیں دتاسی اپنے دور کے ایک عظیم سنسکرت دان اور ہندشناس کی حیثیت سے ولسن کا بڑا احترام کرتا تھا اور اس کی تصانیف کو بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ گارسیں دتاسی کی اس عقیدت واحترام کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے اپنی ''تاریخ'' کی تینوں جلدوں کے سرورق پر ولسن کی ایک کتاب کی عبارت نقل کی ہے۔[۹۴] پھر اسی ''تاریخ'' میں جا بجا ولسن کی تحریروں کے حوالے دیے ہیں۔[۹۵] سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے شخصی روابط کی بڑی وجہ ولسن کی اردودانی تھی، چناں چہ گارسیں دتاسی نے اس کی وفات پر جو مضمون لکھا ہے، اس میں واضح طور پر ولسن کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''اس عام بول چال کی زبان کو جو حقیقت میں ہندوستان کی اصلی زبان ہے، حقیر سمجھنے کے بجائے وہ اس کو بڑی اہمیت دیتا تھا اور اپنے سامعین سے کہتا تھا کہ اس زبان سے دلچسپی لیں۔''[۹۶] مزید یہ کہ ولسن لندن ایسٹ انڈیا ہاؤس کے کتاب خانہ کا نگران تھا اور یہاں اردو مخطوطات کے نادرالوجود خطی نسخے جمع کیے گئے تھے، جن کی گارسیں دتاسی کو بھی گاہے بگاہے ضرورت پڑتی رہتی تھی۔

گارسیں دتاسی اور ولسن کے مابین اکیس برس (۱۸۳۱ء تا ۱۸۵۲ء) خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس وقت گارسیں دتاسی کے سترہ مکاتیب ولسن کلیکشن میں محفوظ ہیں۔ یہ کلیکشن جنوری ۱۹۶۹ء کو محترمہ جیرالڈ سرکن (Gerald Sirkin) نے انڈیا آفس لائبریری کو پیش کیا، جو اب برٹش لائبریری کے شعبہ انڈیا آفس اینڈ اورینٹل میں موجود ہے۔ گارسیں دتاسی کے ان غیر مطبوعہ سترہ خطوط میں سولہ فرانسیسی اور ایک انگریزی میں لکھا گیا اور ایک خط (لندن سے) کے علاوہ بقیہ تمام مراسلات پیرس سے بھجوائے گئے۔ ولسن کے نام سبھی خطوط کو پندرہ جلدوں میں محفوظ کیا گیا ہے۔ سطور ذیل میں گارسیں دتاسی کے مراسلات کا مکمل حوالہ، ان کے اہم اندرجات اور متعلقہ جلدوں کے نمبر مع سنین پیش کیے جاتے ہیں:

مکتوب اول: پیرس، بابت ۱۲۸ کتوبر ۱۸۳۱ء (جلد دوم، ۱۸۳۲ء-۱۸۳۶ء)۔ ورق ۲۰۸-۲۰۰۹

ولسن نے گارسیں دتاسی کی کتاب ''اسلام میں مذہبِ مسلمانان'' (Religion musulmane dans l'Islam) میں ''غازی میاں کا شادی'' (اردو رسم الخط میں لکھا ہے، کا ذکر دیکھا تو اس کے بارے میں گارسیں دتاسی سے استفسار کیا۔ جواباً گارسیں نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مبادیات'' (Rudiments de la Langue hindoustani) کا حوالہ دیا ہے۔ اردو رسم الخط میں منظوم قصہ ''کامروپ وکلا'' کا متن مع فرانسیسی ترجمہ چھپوانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے [جو'' کامروپ کی مہم جوئی'' کے زیر عنوان ۱۸۳۴ء میں شائع ہوا]۔

ان تین کتابوں کی تالیف کا ارادہ ظاہر کیا ہے:

الف) صرفِ اردو

ب) دکنی شعراء کے احوال

ج) کھڑی بولی کا ذخیرۂ الفاظ

نیز ''منتخبات ہندوستانی'' (Chrerstomathie hindoustani) کا ذکر اور اس کے متعلق مختصر اظہار خیال [یہ کتاب ۱۸۴۷ء میں طبع ہوئی]۔

مکتوب دوم: لندن، بابت ۱۳ اپریل ۱۸۳۷ء۔ جلد سوم (۱۸۳۷ء-۱۸۳۸ء)، ورق ۵۶-۵۷

فتح علی حسینی گردیزی کے ''تذکرۂ شعراء'' کے قلمی نسخہ کا حوالہ، جو ایسٹ انڈیا ہاؤس کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اردو مخطوطات کی اطلاع۔ نصرتی کی مثنوی ''گلشن عشق'' کے قلمی نسخہ کے کوائف جو ایسٹ انڈیا ہاؤس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے انگلستان آمد کے بعد اپنی گوناگوں مصروفیات کا ذکر۔

مکتوب سوم: پیرس، بابت ۱۲ فروری ۱۸۳۸ء۔ جلد سوم (ایضاً)، ورق ۹۶-۹۷

بنی نرائن جہاں کا ''قصہ شاہ و گدا''۔ بنی نرائن فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھا۔ اس کا ترجمہ ''چارگلشن''۔ نیز ''دیوان جہاں'' اور ''مجموعۂ غزلیات جہاں''۔ راگ مالا۔ مثنوی سراج اور ملا جلال بلخی کے قصہ امیر حمزہ کے بارے میں استفسار کہ ان تصانیف کا کوئی اور نسخہ ولسن کی نظر سے تو نہیں گزرا۔ سید احمد شہید یا ان کے پیروکاروں کی تصنیف کردہ کتب سے متعلق معلومات کی ضرورت۔ فتح علی حسینی گردیزی، مصحفی، میر، علی ابراہیم خلیل اور بنی نرائن جہاں کے تذکروں کی تفصیلات۔

مکتوب چہارم: پیرس، بابت ۳ جون ۱۸۳۸ء۔ جلد سوم (ایضاً)، ورق ۱۲۹-۱۳۰

بنی نرائن جہاں کی ''چارگلشن'' اور اس کے انگریزی ترجمہ کا ذکر۔ راس مالا، راج مالا وغیرہ کے متعلق بعض سوالات اور مطلوبہ معلومات کی جلد فراہمی کی استدعا۔

مکتوب پنجم: پیرس، بابت ۱۷ فروری ۱۸۳۹ء، جلد چہارم (۱۸۳۹ء)، ورق ۱۵-۱۶

دیوان ولی (اردو متن مع فرانسیسی ترجمہ) اور ''کامروپ'' کے زیر طبع ہونے کی اطلاع۔

مکتوب ششم: پیرس، بابت ۳ مئی ۱۸۳۹ء۔ جلد چہارم (ایضاً)۔ ورق ۲۹-۳۰

اپنے فرانسیسی دوست موسیو دبادیہ (d'Abbadia) کا تعارف کرایا ہے۔

مکتوب ہفتم: پیرس، بابت ۲۸ مئی ۱۸۳۹ء۔ جلد چہارم (ایضاً)، ورق ۴۴-۴۵

''تاریخ اکبری'' اور ''تاریخ نادر شاہی'' کے حاصل ہونے کی اطلاع۔

مکتوب ہشتم: پیرس، بابت ۲۴ جون ۱۸۳۹ء، جلد چہارم (ایضاً)۔ ورق ۵۲-۵۳

''کامروپ'' کی رفتار طباعت

مکتوب نہم: پیرس، بابت ۵ مئی ۱۸۴۰ء، جلد پنجم (۱۸۴۰ء)۔ ورق ۸۶-۸۷

رسمی ساخط۔ چند معاصرین کا ذکر کیا گیا ہے۔

مکتوب دہم: پیرس، بابت ۱۲ اپریل ۱۸۴۱ء، جلد ششم (۱۸۴۱ء)۔ ورق ۷۰-۷۱

موسیو گوریزیو (Gorrezzio) کا ذکر کیا گیا ہے۔ [یہ وہی فرانسیسی ہندشناس ہے، جس کی تقسیم کا اتباع کرتے ہوئے گارسیں دتاسی نے ہندوستان کی قدیم شاعرانہ وراثت کو چار حصوں میں بانٹا ہے یعنی آکھیانا (قصے کہانیاں)، ادی کاویہ (مروج پرانی نظمیں)، اتہاسا

(تاریخ اور مختلف واقعات) اور کاویہ (عام نظمیں)۔ مزید یہ کہ گارسیں دتاسی نے گوریزیو کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ ہندوستانی ہی وہ زبان ہے جو اپنی شناخت کے باعث ان سارے متعلقہ تاریخی امور کی جن سے ہندوستان گزر چکا ہے، حامل ہے اور سنسکرت سے ساری زندہ بولیوں کے مقابلہ میں قریب تر ہے۔" رک: ثریا حسین، ص ۹۲،۸۲]

مکتوب یازدہم: پیرس، بابت ۳۰ ستمبر ۱۸۴۱ء، جلد ششم (ایضاً)۔ ورق ۱۵۴-۱۵۵

"کامروپ"، "دیوان ولی" اور "تاریخ" کی جلد اول کی اشاعت کی خبر۔

مکتوب دوازدہم: پیرس، بابت ۲۰ جولائی ۱۸۴۶ء۔ جلد دہم (۱۸۴۶ء-۱۸۴۷ء)۔ ورق ۶۹

اپنے فرانسیسی دوست لی ویکامت دتاپے (le Vicomte d'Etampes) کا تعارف۔

مکتوب سیزدہم: پیرس، بابت ۲۲ جون ۱۸۴۷ء۔ جلد دہم (ایضاً)۔ ورق ۱۵۶-۱۵۷

[اپنی تازہ کتاب "ہندوئی کے مبادیات" (Rudiments de la langue hindoui) کا ذکر، جو اسی سال طبع ہوئی۔ اس میں ہندی صرف ونحو کی قواعد کے بعد مہابھارت اور دیگر ہندی کتابوں کے اقتباسات یکجا کئے گئے ہیں۔]

مکتوب پانزدہم: پیرس، بابت ۲۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء۔ جلد دوازدہم (۱۸۵۰ء-۱۸۵۲ء)، ورق ۶۱-۶۲

عطار کی "منطق الطیر" کی ترتیب وترجمہ (زیر تکمیل)۔ [اس کتاب کا فارسی متن ۱۸۵۷ء اور فرانسیسی ترجمہ ۱۸۶۳ء میں طبع ہوا]۔ "تاریخ" کی جلد سوم کا آغاز۔

مکتوب شانزدہم: پیرس، بابت ۱۵ اپریل ۱۸۵۱ء۔ جلد دوازدہم (ایضاً)۔ ورق ۸۶-۸۷۔

"منطق الطیر" کی ترتیب وترجمہ کا ذکر۔

مکتوب سیزدہم: پیرس، بابت ۵ مئی ۱۸۵۲ء۔ جلد دوازدہم (ایضاً)۔ ورق ۱۷۲-۱۷۳۔

گارسیں دتاسی کا ولسن کے نام یہ آخری خط ہے اور یہ انگریزی میں ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"Dear Sir,

The taste for eastern topics appears to be more vivid in France since some time. We have a new *Revue orientali* which appears monthly and the editor of this *Review* has begun another publication under the title of the *Miroir de l'Orient* [Mirror of the Orient]. He has launched the first number of this *illustrated* remodeling of the old *Bibliothéque Orientale* [Oriental library] of which a colossal tradition is also contemplated.

Mr. Prisse d'Avesus, the editor of the *Miroir orientale* is a very ancient acquaintance of mine. He requested from me a letter of introduction for you as he has the intention of soliciting a substription from the Directors of the Honourable East India Company. I avail myself of your kindness for me in complying to his

desire and in the meantime, I beg you to revive the new insurance of the respectful consideration and perfect devotedness with which I have the honour to be.

Yours faithfully,

Garcin de Tassy"[۹۷]

وفات نامہ گارسی دتاسی

''کامل یقین سے اب یہ کہنا ممکن ہے کہ گزشتہ بیس سالوں سے باقاعدگی سے ہندوستانی زبان و ادب پر جو عالمانہ اور ماہرانہ خطبات پیش کیے جاتے رہے، وہ آئندہ اشاعت پذیر نہیں ہوسکیں گے، کیوں کہ ان خطبات کے روحِ رواں اور خداداد قابلیت سے متصف پیش کار اب اس دنیائے فانی میں نہیں رہے۔ موسیو گارسیں دتاسی نے ۲۵ ستمبر کو بعمر پچاسی برس وفات پائی۔ وہ انسٹی ٹیوٹ کے رکن، پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر، مدرسۃ السنہ شرقیہ کے پروفیسر اور یورپ و ہندوستان کے بڑے علمی اداروں کے رکن رہے۔ علاوہ ازیں انھیں دیگر ممالک کے درج ذیل اعزازات سے بھی نوازا گیا تھا:

(i) Knight of the Legion of Honour

(ii) Commander of the Order of St. Jacques of Portugal

(iii) Cavalier of the Pole Star of Sweden

۱۸۲۱ء میں فرانس کی ایشیاٹک سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس کے پہلے صدر عظیم مستشرق سلوستر دساسی مقرر ہوئے اور سیکرٹری کے فرائض گارسیں دتاسی کو سونپے گئے۔ بعد میں گارسیں دتاسی نے اس سوسائٹی کے مجلّہ ''ژورنال ازیاتک'' میں انتہائی مفید مضامین شائع کرائے۔ ادب شرقیہ کی ترویج و ترقی میں ان کی گرانقدر خدمات سے سبھی واقف ہیں۔ ان کی مطبوعہ تحریروں اور ترجموں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اردو اور ہندی پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، بلکہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں سے بھی کماحقہ، واقف تھے۔ بلاشبہ ان سبھی کے نمونے اس کی کتابوں مثلاً ''مسلمان مشرق کی زبانوں میں بلاغت و عروض'' [پیرس ۱۸۷۳ء] اور ''ایلیگوری یعنی منظوم کہانیاں اور عوامی گیت'' [طبع ثانی، پیرس ۱۸۷۶ء] وغیرہ میں بآسانی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، لیکن ان کی تالیفات و تراجم پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خود کو دو زبانوں یعنی ہندی اور ہندوستانی تک وقف کیے رکھا۔ گارسیں دتاسی نے ان دونوں زبانوں کی تاریخ قلمبند کی، معروف دکنی شاعر ولی کے کلام کو مرتب کیا اور اس کو اپنی زبان میں منتقل بھی کیا۔ اسی طرح ''کامروپ کی مہم جوئی'' [پیرس ۱۸۳۴ء] اور ''اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک باب یعنی بادشاہ دہلی شیر شاہ کی تاریخ'' [پیرس، ۱۸۶۵ء] کے فرانسیسی تراجم شائع کئے۔ ہندی اور ہندوستانی زبانوں کے نمونہ جات، منتخبات اور لغات بھی مرتب کیں۔ سر ولیم جونز کی ''قواعد فارسی'' کا ترجمہ کیا۔ [۱۸۴۵ء]۔ فریدالدین عطار کی ''منطق الطیر'' کا متن مع ترجمہ شائع کیا [۱۸۶۳ء] اور اس کی بنیاد پر ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری پر اپنی کتاب لکھی [۱۸۵۷ء]۔ ۱۸۷۴ء میں گارسیں دتاسی کی تصنیف بعنوان ''قرآن کے مطابق مذہب اسلام'' منظر عام پر آئی، لیکن اس کی چند تالیفات مثلاً ''مسلمانوں کے یہاں آدمیوں کے اسماء اور القاب پر ایک یادداشت'' [۱۸۷۶ء] ''باغ و بہار'' (متن مع ترجمہ) [۱۸۵۴ء] وغیرہ دوسری اور تیسری بار طبع ہوئیں۔

بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندی اور اردو ادب کے خصوصی حوالے سے یورپ میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں۔ ان کے انتقال

سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ اتنی آسانی اور جلدی سے پُر نہیں ہوگا''۔ [۹۸]

حواشی

۱۔ اردو میں بالعموم ''گارساں'' لکھا جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر حمید اللہ، آغا افتخار حسین اور ڈاکٹر ثریا حسین جیسے متخصصین (بحوالہ گارسیں) اور فرانسیسی زبان جاننے والے ''گارسیں'' کو درست تسلیم کرتے ہیں، چناں چہ زیرِ نظر مقالے میں اسی تلفظ کو اپنایا گیا ہے۔ گارسیں دتاسی کا پورا نام ''ژوزف ہلیو دور گارسیں دتاسی'' (Joseph-Héliodore Garcin de Tassy) ہے، لیکن یہاں صرف معروف حصہ گارسیں دتاسی ہی استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' (طبع ثانی) کی تینوں جلدوں کے سرورق پر اپنے نام کے ساتھ القاب و خطابات کے علاوہ یورپ اور ہندوستان کے اُن مختلف علمی اداروں اور انجمنوں کے نام لکھے ہیں، جن کے اراکین میں وہ شامل تھا۔ ان ہی میں انجمن پنجاب ("Anjuman" de Lahore) بھی شامل ہے۔

۳۔ برائے تفصیل دیکھیے: دو وفات نامے جو درج ذیل مجلّہ میں شائع ہوئے:

The Asiatic Journal. vol. xxvi. New Series, May-August 1838, pp. 209-210; vol. xxvii. Sept.-Oct. 1858, pp. 115-129, 182-197, obituary notice by M. Reinaud.

نیز ملاحظہ کیجیے:

Henri Dehérain: Silvestre de Sacy, ses contemporains et ses disciples. Paris 1938

۴۔ فرانسیسی عنوان:

Histoire de la littérature Hindouie et Hindoustanie

''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی''۔ پہلا ایڈیشن، مشتملبر دو جلد (پیرس، ۱۸۳۹ء، ۱۸۴۷ء)۔ دوسرا ایڈیشن، مشتمل بر تین جلد (پیرس، ۱۸۷۰ء-۱۸۷۱ء)۔ زیرِ نظر مقالے میں صرف لفظ ''تاریخ'' استعمال کیا گیا ہے اور جس ایڈیشن کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کی قوسین میں نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۵۔ بقول گارسیں دتاسی: ''یہ درحقیقت میری تاریخ کی پہلی جلد سے حذف و اضافہ کے ساتھ تالیف کیا گیا ہے، جس سے اب ایک نئی کتاب ہوگئی ہے اور استناد کے لیے کارآمد ہے۔ اضافہ تقریباً تمام کا تمام یا تو خاندان تیموری کے شاہزادوں کے حالات کا ہے جو اپنا وقت کاٹنے کے لیے اردو شاعری کیا کرتے تھے یا دہلی کالج کے پروفیسروں کے حالات سے متعلق ہے۔'' (''تمہیدی خطبے'' از گارساں دتاسی۔ دہلی ۱۹۴۰ء۔ بہ تصحیح ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔ ص ۴۷-۷۵۔ پانچواں خطبہ بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء) ''طبقات شعرائے ہند'' (دہلی، ۱۸۴۷ء) کے سرورق پر گارسیں دتاسی کا نام موجود ہے۔ لیکن اس کے مؤلف متن میں مختلف مقامات پر اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''گرچہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ بہت تذکرہ جمع کر کے اس تذکرہ کو فراہم کروں لیکن پہلے مجھ سے چونکہ دی سائیسی نے زبان فرنچ میں درمیان ملک فرانس کے ایک تذکرہ ان تذکروں مفصلہ ذیل سے بہت اچھی طرح پر تالیف کر لیا تھا، اسی لیے اردو تذکروں سے جو اوس کے دستیاب نہیں ہوئے اور اس کے تذکرہ سے مدد لے کر یہ تذکرہ میں نے فراہم کیا۔'' (دیباچہ، ص ۹)

''تائی سی کہتا ہے کہ یہ تذکرہ میں نے بہت کوشش سے فراہم کر کے اپنا ایک تذکرہ زبان فرنچ میں جمع کیا۔ الّا یہ سب تذکرہ میری پسند نہیں۔'' (دیباچہ، ص ۹-۱۰)

''ان ہی مصنفین کی پیروی سے ایک مصنف ملک فرانس نے جس کا نام یاد نہیں، غلطی کی ہے۔ یہ شعر جو میں آگے لکھتا ہوں، اوس نے سعدی شیرازی کی طرف منسوب کیے ہیں۔'' (ص ۴۸)

بذیل ذکر دیدآر (مثنوی در باب حالات ماہ منور سوداگر):

''اس قصہ کی ایک جلد قلمی ٹائیسی کے پاس درمیان پارس کے موجود ہے۔'' (ص ۸۲)

بذیل شیخ ولی محمد بن حافظ میران (مصنف قصہ پیغمبراں):

''اوس کی ایک قلمی جلد ڈی ٹائیسی کے پاس موجود ہے۔'' (ص ۱۷۰)

مزید تفصیل کے لیے رک: ''طبقات شعرائے ہند اور مولوی کریم الدین'' از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (صحیفہ ۴۰) (جولائی ۱۹۶۷ء)، ص ۹-۳۰۔ ایس اے صدیقی: ''مولوی کریم الدین، حیات اور کارنامے''، پٹنہ ۱۹۷۸ء۔ ''طبقات شعرائے ہند''، طبع عکسی، لکھنؤ ۱۹۸۳ء، مقدمہ از ڈاکٹر محمود الٰہی۔ محمد اکرام چغتائی: ''ایک نادر مجموعۂ مکاتیب'' (''اردو'' (کراچی) جلد ۶۱ شمارہ ۳-۴ (۱۹۸۵ء)، ص ۱۳۸-۱۸۲)۔

۶۔ رجوع کیجئے (= رک):

Johann Fück: <u>*Die arabischen Studien in Europa*</u>. Leipzig 1955, p. 151.

۷۔ رک: سعدی اور مسعود سعد سلمان کی ''ہندی شاعری'' پر گارسیں دتاسی کے مضامین در جواب مراسلات از Newbold اور N. Bland در: ژورنال ازیاتک (۱۸۴۳ء)۔ اشپرینگر کا مضمون در: ''جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال'' (کلکتہ)، ۱۸۵۲ء (اشاعت مکرر: کیا سعدی شیرازی نے ریختہ میں اشعار لکھے؟ تالیف ڈاکٹر گیان چند، در: ''اردو''، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۲۶-۳۷)۔ نیز ملاحظہ کیجئے: ''تاریخ'' ۲: ۱۹۰-۲۹۰، ۳: ۲-۴ اور بذیل ''خسرو'' ۲: ۲۰۴-۲۰۸ (مع خالق باری، پہیلیوں اور کہہ مکرنیوں کے منتخبہ فرانسیسی تراجم)۔

گارسیں دتاسی کے متذکرۂ صدر مضمون (۱۸۴۳ء) پر تبصرہ در: دی ایشیاٹک جرنل (لندن)، جلد دوم (نومبر-اپریل ۱۸۴۴ء)، ص ۶۴-۶۶۔

۸۔ گارسیں دتاسی نے اپنے خطبہ (بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۶ء) میں اس ترجمہ کا یوں ذکر کرتا ہے:

''میں ایک کتاب کے اضافے کی جسارت اور کروں گا اور وہ میری کتاب ''مختصر احوال مصنفین ہندی کے تذکروں کا'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ابھی حال ہی میں دہلی سے شائع ہوا اور اس کے مترجم محمد ذکا اللہ ہیں۔ ابھی تین دن ہوئے، اس ترجمہ کی تین جلدیں مجھے وصول ہوئی ہیں۔ اعتراف کرنا پڑتا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ دلکش ہندوستانی زبان پر میری یہ ادنیٰ درجہ کی تصنیف خود

ہندوستانیوں میں مقبول ہوئی۔" ("مقالات گارساں دتاسی"، جلد اول، دہلی ۱۹۴۳ء، ص ۲۱۳۔ نیز دیکھیے: "تاریخ" ۳:۳۵۲ بذیل ذکر "ذکاءاللہ")

اس رسالے کی اشاعت نو بعنوان "رسالہ تذکرات" مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔ دہلی: دلی مجلس ۱۹۶۸ء۔

۹۔ ژورنال ازیاتک (نومبر، دسمبر ۱۸۵۶ء)، ص ۵۳۲-۵۳۶۔ نیز رک: "تاریخ" ۳:۳۸-۳۹

۱۰۔ مطبوعہ پیرس ۱۸۶۰ء، صفحات ۱۹۴

۱۱۔ رک: سرسید کا سفرنامہ "مسافران لندن"، مرتب اصغر عباس۔ علی گڑھ ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۶-۱۳۰

۱۲۔ یہ نوٹ "اخبار عالم" (میرٹھ) سے منقول ہے۔ اس کی اختتامی عبارت یہ ہے: "راقم "اخبار عالم" صاحب ممدوح کی کرم فرمائی غائبانہ اور قدر دانی بے پایانہ کا ممنون اور مشکور ہے کہ صاحب ممدوح نے اپنی اسپیچ یعنی تقریر فوائد تخمیر کی ایک کتاب جو بزبان فرانسیسی چھپی ہے، مرحمت فرمائی اور اپنی تصویر بھی جس سے ایک کمال علم اور وقار اور عظمت اور انکسار معلوم ہوتا ہے، فوٹوگرافک کی کھنچی ہوئی عطا کی۔ انشاءاللہ تعالیٰ آیندہ حال مفصل صاحب ممدوح کا بنظر اطلاع اس ملک کے آدمیوں کے زیب صفحہ اخبار ہوگا۔" (بحوالہ ڈاکٹر ثریا حسین: "گارسیں دتاسی۔ اردو خدمات، علمی کارنامے"۔ لکھنؤ ۱۹۸۴ء، ص ۴۸-۴۹ = ثریا حسین)

۱۳۔ رک: ثریا حسین، ص ۴۹

۱۴۔ اصل فرانسیسی حوالہ:

Franeois Deloncle: Catalogue des Livres Orientaux composant la Bibliothèque de M. Garcin de Tassy; suivi du Catalogue des Manuscrits hindustanis, persans, arabes, ture. Paris 1879.

فہرست نگار دلونکل نے فرانسیسی - ہندوستانی اور ہندوستانی - فرانسیسی لغت بھی تیار کر لی تھی، جس کے صرف بتیس صفحات شائع ہوئے تھے (پیرس، ۱۸۷۵ء) گارسیں دتاسی نے اس دوزبانی لغت کا دیباچہ لکھا تھا۔

۱۵۔ Indian Antiquary (بمبئی، ۱۹۰۳ء)

۱۶۔ مطبوعہ لکھنؤ: الناظر پریس، ۱۹۱۴ء

۱۷۔ جلد نہم، حصہ اول، ۱۹۱۶ء۔ طبع عکسی، نیو دہلی ۱۹۶۸ء۔

۱۸۔ "اردو" (اورنگ آباد)، ۱۹۲۴ء

۱۹۔ "گارساں دتاسی اور اس کے بہی خواہان اردو"۔ حیدر آباد دکن ۱۹۳۱ء، طبع دوم ۱۹۴۱ء (تبصرہ از قاضی عبدالودود، در معاصر (پٹنہ)، جون ۱۹۴۲ء، و "گارساں دتاسی" از قاضی عبدالودود، پٹنہ ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۱-۱۱۴)

۲۰۔ اصل فرانسیسی عنوانات درج ذیل ہیں:

i) Discours à l'ouverture de son Cours d'Hindoustani a l'Ecole des Langues Orientales Vivantes, 1850-1869.

2nd ed. "La Langue et la littérature hindoustanies de 1850 à 1869". Paris 1974

ii) *La Langue et la Littérature hindoustanies, Revue annuelle*. Paris 1871-1878.

۲۱۔ خطبات گارساں دتاسی، حصہ اول (۱۸۵۰ء-۱۸۶۴ء) مع مقدمہ از ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔نظر ثانی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔کراچی ۱۹۷۹ء (۱۹۳۵ء)، حصہ دوم (۱۸۶۵ء-۱۸۶۹ء) کراچی ۱۹۷۴ء (۱۹۳۵ء)۔ مع حواشی از ڈاکٹر مولوی عبدالحق و شیخ چاند۔''مقالات گارساں دتاسی، جلد اول (۱۸۷۰ء-۱۸۷۳ء) کراچی ۱۹۶۴ء (۱۹۴۴ء)۔اختتامیہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔جلد دوم (۱۸۷۴ء-۱۸۷۷ء) ۔نظر ثانی از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔کراچی ۱۹۷۵ء (۱۹۴۳ء) نیز رک: ''گارساں دتاسی: تمہیدی خطبے'' (۱۸۵۰ء-۱۸۵۵ء)۔بہ تصحیح ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔دہلی ۱۹۴۰ء۔''خطبات'' کے ایک مترجم ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے گارسیں دتاسی کے مرتبہ ''دیوان ولیؔ'' (پیرس ۱۸۳۳ء) کے مقدمہ کو اردو میں منتقل کیا تھا۔(در: یادگار ولیؔ مرتبہ سید محمد۔حیدر آباد دکن، ۱۹۳۷ء)

۲۲۔ رک: ''گارساں دتاسی''۔پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء (مجموعہ مقالات مع ضمائم)۔

قاضی عبدالودود کے علاوہ آغا افتخار حسین (بسلسلہ ملازمت دو سال پیرس میں مقیم رہے، ۱۹۶۲ء-۱۹۶۴ء) کی یہ تین کتب:

الف) ''یورپ میں اردو، لاہور'' ۱۹۶۸ء (فرانس، ص ۱۰۱-۱۳۳)

ب) ''یورپ میں تحقیقی مطالعے''، لاہور ۱۹۶۷ء (''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی اور اردو تذکرے'' ص ۵۱-۸۶)

ج) ''پیرس کے کتب خانوں میں اردو، پنجابی اور سندھی مخطوطات کی فہرست''۔کراچی ۱۹۶۷ء۔

گارسیں دتاسی کی حیات و تصانیف پر مزید مطالعات کے لیے رک:

مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی: ''گارسیں دتاسی اور تحریک سرسید'' (در: تہذیب الاخلاق (لاہور)، ستمبر ۱۹۶۴ء)۔ایضاً: ''گارساں دتاسی کا ایک نادر خط'' (صحیفہ، ۳۳ (اکتوبر ۱۹۶۵ء)، ص ۳۲-۳۸)۔ڈاکٹر رضیہ نور محمد: ''اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی'' جائزہ، لاہور ۱۹۸۵ء۔ڈاکٹر جواز جعفری: ''اردو ادب یورپ اور امریکہ میں'' لاہور ۲۰۱۰ء (''گارسیں دتاسی''، ص ۹۸-۱۰۹)۔صائمہ ارم: اردو ادب کے لیے گارسیں دتاسی کی خدمات (صحیفہ، جولائی-ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۴۲-۴۹)۔

N. Hasan: *Garcin de Tassy; A French devotee of Urdu* (in: Pakistan Review (Lahore) vol. 10 (April 1962) pp. 21-22)

۲۳۔ ''تاریخ'' ۳: ۳۵۲

۲۴۔ یہ ترجمہ درج ذیل کتاب میں شائع ہوا:

A Group of Eastern romances and stories from the Persian, Tamil and Urdu. With introduction, notes and appendix by William Alexander Clouston. Glasgow , compiled from Garcin de Tassy's گل بکاؤلی 1889. (includes Izatullah Bengali's abridgement and T. P. Manuel's translation).;(cf. *Urdu Books. A Descriptive Catalogue of Works in the Oriental and India Office Collections of the British Library,* London. Compiled by Salim al-Din Quraishi. Islamabad: NLA, 2000, p. 419, no.

4883)

۲۵۔ رک: مولوی محمد محفوظ الحق کا مضمون بعنوان ''فرنچ مستشرقین کا تذکرہ شعرائے اردو'' (در: معارف (اعظم گڑھ) اگست ۱۹۲۲ء و ''گارساں دتاسی'' از قاضی عبدالودود، مذکورہ بالا ضمیمہ اول)

۲۶۔ نواب نصیر حسین خیالؔ اپنے مکتوب بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب (بابت ۱۸ مئی ۱۹۳۱ء) میں لکھتے ہیں:

''شب کو نواب محبت خاں کا ذکر آیا تھا۔ ان کے متعلق دتاسی نے جو لکھا ہے، اس کا ترجمہ حاضر کرتا ہوں۔''

(''خطوط مشاہیر بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب''۔ مرتبہ نیر مسعود، لکھنؤ ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۸-۱۱۹)

۲۷۔ فرانسیسی عنوان:

<u>*Mémoire sur quelques particularitiés de la religion musulmane dans l'Inde, d'àpres les ouvrages hindoustani*</u>.

۲۸۔ بابت ۱۸۳۱ء، ص ۸۱-۱۰۷، ۱۶۱-۲۲۲۰، ۳۰۸-۳۳۲۔ ایک سو صفحات سے زائد پر مشتمل یہ مضمون ترامیم و اضافات کے بعد ایک اور کتاب میں بھی شائع ہوا، مطبوعہ پیرس ۱۸۶۹ء

۲۹۔ رک:

<u>*On certain peculiarities in the Mohammadanism of India*</u> (in: <u>*Asiatic Journal*</u> (London), new series, 6 (1831), pp. 352-356; 7 (1832), pp. 5-58, 140-144)

۳۰۔ پورا حوالہ یہ ہے:

Muslim Festivals in India and Other Essays.New Delhi: OUP, 1995 (pp. 197)

مع مقدمہ و حواشی؛ گارسیں دتاسی نے ایک مضمون زیر عنوان ''ہندوؤں کے تہواروں کا ذکر، ہندوستانی زبان کی کتابوں کے مطابق'' (Notice sur les fétes populaires des Hindus) تحریر کیا (ژورنال ازیاتک، ۱۸۳۴ء) جس کی ابتدا میں وہ لکھتا ہے: ''میں نے مسلمانوں کے مذہب پر جو یادداشت شائع کی ہے اس میں زیادہ تر میں نے مسلمانوں کی تقریبوں کا ذکر کیا ہے اور خیال ظاہر کیا ہے کہ ان اسلامی تقریبوں میں سے متعدد میں ہندو بھی حصہ لیتے ہیں اور ہندوؤں کے تہواروں میں مسلمان اکثر شریک رہتے ہیں، اس لیے مجھے مفید معلوم ہوا ہے کہ آج برہمن ہندوستان میں جو عام تہوار پائے جاتے ہیں، ان کے متعلق صحیح معلومات پیش کروں اور یہ نیا مضمون میرے پرانے مضمون کا گویا تکملہ سمجھا جا سکے گا۔ وہ مضمون بھی دیکھے جائیں جو میں نے بیگم حسن علی اور مسٹر ہرکلوٹس کی دلچسپ تالیفوں پر لکھے تھے''؛ وسیم صاحب نے گارسیں دتاسی کے اس مضمون کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔ بعنوان:

<u>*Notice on he fetes of Hindus according to Hindustani works*</u>

جوان کے مجموعہ مضامین "<u>*On Becoming an Indian Muslim*</u>" (دہلی ۲۰۰۳ء، بطور ضمیمہ) میں شامل ہے۔

۳۱۔ رک:

Begum Hasan Ali: <u>*Observations on the Musulmans of India*</u>. 2 vols. London i)

1832.

i i) Ja'far Sharif: Qanoon-e-Islam. London 1832.

۳۲۔ اول الذکر کتاب پر تبصرہ (ژورنال ازیاتک، جنوری ۱۸۳۲ء)۔ گارسیں دتاسی نے تبصرے میں اس کتاب کو اپنے مضمون کا یہ ضمیمہ قرار دیا ہے۔ ثانی الذکر کتاب پر تبصرہ (ژورنال دساواں، Journal de Savants، ۱۸۳۳ء)۔ بقول مبصر، جعفر شریف کو لالہ میاں بھی کہا جاتا تھا۔ وہ کٹر سنّی اور سلطنت گولکنڈہ کے شہر ایلورا کا باشندہ تھا۔

۳۳۔ رک:

Muslim saints, faquirs and pilgrims in 1831 according to Garcin de Tassy. (in: Perspectives of mutual encounters in South Asian History, 1761-1860. Edited by Jamal Malik. Leiden: Brill, 2000, pp. 128-156)

۳۴۔ رک:

Garcin de Tassy. Biographie et etude critique de ses ouvres, par Sayida Surriya Hussain. Pondichéry, 1962.

۳۵۔ بعنوان ''گارسیں دتاسی - اردو خدمات، علمی کارنامے۔'' لکھنؤ: اُتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۴ء

۳۶۔ اس اردو ترجمہ کے پیش لفظ (از مترجم) اور ''تاریخ'' کے دیباچے کے ترجمہ (مع اضا از مترجم) کے لیے رک: جریدہ (جامعہ کراچی)، شمارہ ۲۹ (۲۰۰۴ء)، ص ۲۵۱-۳۳۵۔؛ ''معروضات'' کے تحت سید خالد جامعی لکھتے ہیں:

''گارساں دتاسی کی ''تاریخ ادب ہندوستانی'' فرانسیسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ترجمہ ایک فرانسیسی طالبہ لیلیان نازرو نے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کے طور پر کیا تھا۔ ان کے نگراں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی تھے۔ یہ مقالہ دو جلدوں میں ترجمہ کیا گیا اور طالبہ کو اس ترجمہ پر پی ایچ۔ ڈی کی سند عطا کی گئی۔ دونوں جلدیں اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہیں اور گزشتہ چالیس برس سے اشاعت کی منتظر ہیں۔ اس مقالے کی صرف ایک جلد ڈاکٹر محمود حسین کتب خانے میں دستیاب ہے، جبکہ جلد دوم تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے ذخیرۂ کتب میں بھی دوسری جلد تلاش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ پہلی جلد کی فراہمی کے لیے ہم ڈاکٹر معین الدین عقیل کے شکر گزار ہیں جن کی توجہ اور محنت سے جلد اول ہمیں مل گئی جسے عنقریب مکمل شائع کیا جارہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خوشخبری دی ہے کہ اس کتاب کی دوسری جلد بھی وہ کہیں سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو انشاءاللہ اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل یہ مسودہ فوری شائع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرانسیسی میں تاریخ ادب ہندوستانی کی آخری اشاعت کو سامنے رکھ کر راقم الحروف اور جناب عمر حمید ہاشمی صاحب دونوں جلدوں کا تقابل کر کے نظر ثانی کا کام کریں گے۔''

چھ سال گزر گئے، لیکن معلوم نہیں، یہ کام کس مرحلہ میں ہے۔

۳۷۔ رک: ''جریدہ'' (کراچی) شمارہ ۲۹ (۲۰۰۴ء)۔ ''تاریخ ادب ہندوستانی - ایک معروضی مطالعہ'' از ڈاکٹر معین الدین عقیل، ص ۲۲۶-۲۳۵۔ مقالہ نگار نے ''تاریخ'' کے مقدمہ کے ایک انگریزی ترجمہ (از گیتا کرشن کٹی) کا حوالہ دیا ہے، جو ''انڈین لٹریچر'' (دہلی، جون ۱۹۸۴ء) میں شائع ہوا۔

۳۸۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء۔

۳۹۔ ان ''خطبات'' پر دو مقالات لکھے، جو پہلے ''معیار'' (پٹنہ، مئی ۱۹۳۶ء) اور ''معاصر'' (پٹنہ) ''عہد جدید''، ۱۹۵۹ء) میں طبع ہوئے اور اب ان کی کتاب ''گارساں دتاسی'' (پٹنہ ۱۹۹۵ء) میں شامل ہیں۔ (ص ۸۶-۹۱، ۹۲-۱۱۰)

۴۰۔ اس مقالے کی چار جلدوں کے مندرجات وغیرہ کا براہ راست علم نہیں ہو سکا۔ ایک ثانوی ماخذ سے اس کا حوالہ درج ذیل ہے:

A critical study of Garcin de Tassy's "Histoire...." Thesis submitted to the University of Delhi (Department of Urdu) for the degree of Philosophy by Robert Ardobin, Reader (in French Language), Department of Modern European Languages, vol. 1 to 4 (1977).

(Delhi University Library Cat. No. 3143-46)

۴۱۔ در: ''ملفوظات اقبال''، مرتبہ محمود نظامی۔ لاہور، بلا تاریخ، ص ۴۴۔ طبع ثانی ۱۹۷۷ء، ص ۴۶-۴۷

۴۲۔ رک: ''مقالات گارساں دتاسی''، حصہ اول۔ کراچی ۱۹۶۴ء، ص ۲۴۶-۲۴۷

۴۳۔ رک: ثریا حسین، ص ۴۹

۴۴۔ محمد مسیح الدین علوی کاکوری (م۔ ۱۸۸۱ء) ملکۂ کشور اور شہزادے مرزا جواد علی سکندر حشمت کی تدفین کے لیے پیرس میں مقیم رہے۔ (رک: ''سفیر اودھ'' (خود نوشت سوانح عمری)۔ لکھنؤ: الناظر پریس ۱۹۲۹ء، ص ۹۹)۔ گارسیں دتاسی نے ۲۴ جنوری ۱۸۵۸ء کو مسیح الدین خاں کی پیرس میں موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ (''تاریخ'' ۲: ۲۴۵-۲۴۶)۔ شہزادے کی وفات (۴ مارچ ۱۸۵۸ء) پر اس نے مضمون بھی لکھا تھا، جو پیرس کے رسالہ ''ژورنال دد با'' (Journal des Debats) میں شائع ہوا۔ (۱۸۵۸ء)

۴۵۔ رک:

Islamic Culture (Hyderabad Deccan), October 1931, p. 541. "*Memoirs of Late Rt. Hon'ble Syed Ameer Ali.*" See also "*Memoirs and other writings of Syed Ameer Ali*", edited by Syed Razi Wasti. Lahore 1968, p. 34.

۴۶۔ رک: ''مقالات گارساں دتاسی''، حصہ اول، ص ۳۶۶۔ مقالہ بابت ۱۸۷۳ء۔

۴۷۔ رک: ''گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے'' (۱۸۵۰ء-۱۸۵۵ء) بہ تصحیح عبدالستار صدیقی، ص ۱۴ (خطبہ بابت ۵ دسمبر ۱۸۵۳ء)، ص ۱۴۰ (خطبہ بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء)۔ ''خطبات گارساں دتاسی'' (۱۹۳۵ء)، ص ۱۹، ۱۷۹، ۴۵۰-۴۵۳ و ۴۵۳ و خطبہ بابت ۵ دسمبر ۱۸۶۴ء، ص ۶۷۳ (تحتی نوٹ)۔ خطبہ بابت ۷ دسمبر ۱۸۶۸ء۔ گارسیں دتاسی کے ''خطبات'' میں بوترو کے بیان کردہ سوانحی کوائف کو ڈاکٹر زور مرحوم (گارساں دتاسی، متذکرہ صدر، ص ۹۷-۱۰۰) اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دلّی کالج کے چند پرنسپل در: ''دلّی کالج اردو میگزین''، قدیم دلّی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء، ص ۱۰۳-۱۰۵) میں اپنے لفظوں میں لکھ دیا ہے۔ برٹش لائبریری، لندن (انڈیا آفس اینڈ اورینٹل) میں چند ایسی دستاویزات محفوظ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بوترو دہلی کالج مستقلاً چھوڑ کر واپس فرانس نہیں گیا تھا، بلکہ خرابی صحت کے باعث رخصت پر تھا اور علاج معالجے کے بعد واپس آنا چاہتا تھا، چنانچہ روانگی سے قبل اس نے اشپرینگر سے یہ طے

کر لیا تھا کہ واپسی پر عہدۂ پرنسپلی اسے لوٹا دیا جائے گا، لیکن بعد میں اس معاہدہ پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ بوترو نے فرانس سے اشپرینگر کو یاد دہانی کے متعدد خطوط لکھے اور متعلقہ افسران سے بھی رابطہ قائم کیا۔ راقم نے یہ تمام تفصیلات اپنے انگریزی مقالہ

Félix Boutros, his life and contribution to Urdu language and literature

میں درج کر دی ہیں۔ یہ مقالہ کولیژ دفرانس، پیرس (Collège de France) میں منعقدہ ایک تقریب (زیر صدارت مارک گابوریو) میں پیش کیا گیا (۲۰۰۱ء)۔

۴۸۔ ''گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے''، مذکورہ بالا ص ۸۲

۴۹۔ ایضاً ص ۷۰

۵۰۔ اس ترجمہ کے بارے میں ایک مضمون نگار لکھتا ہے:

''صہبائی نے اس کا ترجمہ دہلی کالج کے پرنسپل بوترو کی فرمائش پر کیا، چنانچہ بوترو کا صہبائی سے ''حدایق البلاغت'' کا ترجمہ کروانا ثابت کرتا ہے کہ اردو میں بھی ان کو دستگاہ کامل تھی اور کچھ چیزیں اس ترجمہ سے قبل اردو میں آ چکی تھیں، ورنہ کچھ نہ کچھ بنیاد ہونی چاہیے، جس کی بنا پر ان سے ترجمہ کی فرمائش کی گئی۔ پرنسپل بوترو جیسا دانشور اور زمانہ شناس کسی مبتدی کو یہ کام نہیں سونپ سکتا جبکہ اس زمانے میں اردو کے ایک سے ایک ماہرین موجود تھے۔'' (نوائے ادب (بمبئی)، ج ۷ ش ۱ (اپریل ۱۹۹۷ء)، ص ۹۳۔ ''امام بخش صہبائی اور اردو زبان و ادب'' از ایم زیڈ حسین ص ۹)

۵۱۔ مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۴ء۔ نیز ''باغ اردو'' (شیر علی افسوس)۔ زیر نگرانی بوترو۔ دہلی ۱۸۴۵ء (بحوالہ ''تاریخ'' ۱: ۱۲۳، تحتی نوٹ)

۵۲۔ گارسیں دتاسی نے ''تاریخ'' میں اس کا نام Charles Olloba y Ochoa بھی لکھا ہے (۲: ۲۳۰)

۵۳۔ خطبات (۱۹۳۵ء)، ص ۵۲۶

۵۴۔ دیکھئے ان کا مضمون ''اردو کی بابت فرانسیسیوں کی چند تحریریں'' (اردو نامہ (کراچی)، مارچ ۱۹۶۴ء، ص ۷-۲۴)

۵۵۔ ۲: ۳۴۲ (تحتی نوٹ)۔

۵۶۔ رک:

C.E. Buckland: *Dictionary of Indian Biography*. Reprinted: Lahore 1975 (London 1906), p. 45

۵۷۔ ''خطبات گارساں دتاسی'' (۱۹۳۵ء)، ص ۵۷۳-۵۷۴، خطبہ بابت ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء

۵۸۔ ثریا حسین، مذکورہ بالا ص ۳۰۸-۳۰۹

۵۹۔ ژورنال ازیاتک (۱۸۴۳ء)، ص ۱-۲۷

۶۰۔ ''جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال'' (کلکتہ)، ۱۸۵۲ء، ص ۵۱۳ بعد

۶۱۔ ژورنال ازیاتک، ۲۱۵، (۱۸۵۳ء)، ص ۳۵۶ بعد۔ زیر عنوان

"Mas'ud, poète persan et hindoui"

۶۲۔ برائے تفصیل رک:

Sunil Sharma: *Persian poetry at the Indian Frontier; Mas'ud Sa'd Salman of Lahore.* New Delhi 2000

۶۳۔ مثلاً دیباچہ ''تاریخ'' ۱: ۴۷، ۲: ۲۰۴-۲۰۵ (بذیل ''خسرو'' جس میں خسرو کی مقبول ریختہ غزل اور کہہ مکرنیوں کا فرانسیسی ترجمہ دیا گیا ہے)، ۲۹۰-۲۹۱۔ جلد سوم (متعلقہ مسعود سعد سلمان)۔ ص ۲-۴ (متعلقہ سعدی مع ریختہ اشعار کا فرانسیسی ترجمہ)۔

۶۴۔ دیباچہ ''تاریخ''۔ جلد دوم، ص ۲ (تحتی نوٹ) ۲۹۰-۲۹۱

گارسیں دتاسی اور بلاں کے تعاون کی چند اور مثالیں:

الف) تذکرہ ''عمدہ منتخبہ'' کی ایک نقل گارسیں دتاسی کے لیے تیار کرائی (''تاریخ''۔ دیباچہ، ص ۵۰، تحتی نوٹ)

ب) گارسیں دتاسی نے عطار کی ''منطق الطیر'' مرتب کی (۱۸۵۷ء) جس کا مخطوطہ انڈلس پارک میں مقیم بلاں کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا تھا۔

ج) گارسیں دتاسی نے بذریعہ خط ''تزک بابری'' (بزبان چغتائی، قلمی) کے پائے جانے کا بلاں نے جو غلط ذکر کیا ہے، اس کی تصحیح کی ہے (ژورنال ازیاتک، مارچ ۱۸۴۲ء، ص ۲۹۲)

نیز رک: ''تاریخ'' ۱: ۲۶۰ (تحتی نوٹ)، ۳۳۰ (''بھگوت گیتا'' فارسی، قلمی) تحتی نوٹ

۶۵۔ رک: دہلی اردو اخبار (بابت ۲ جنوری ۱۸۵۳ء)۔ بحوالہ ''دلّی کالج میگزین''، قدیم دلّی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء، ص ۵۸-۵۳

۶۶۔ خطبات گارساں دتاسی (۱۹۳۵ء)، ص ۲۰۳

۶۷۔ گارسیں دتاسی نے ''تاریخ'' میں بھی ٹیلر کے قتل کا ذکر کیا ہے۔ رک: ۲: ۱۷۱ (تحتی نوٹ)۔ ۳: ۲۱۳، ۳۵۲

۶۸۔ ''خطبات گارساں دتاسی'' (۱۹۳۵ء)، ص ۲۳۰-۲۳۱

۶۹۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۷۰۔ ''مقالات گارساں دتاسی''، حصہ دوم، ص ۴۶ (خطبہ بابت ۱۸۷۴ء)

۷۱۔ ''خطبات گارساں دتاسی'' (۱۹۳۵ء)، ص ۵۱۶۔ خطبہ بابت ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء۔

۷۲۔ ''مقالات گارساں دتاسی''، حصہ اول (۱۹۶۴ء)، ص ۲۵۷۔ مقالہ بابت ۱۸۷۲ء

۷۳۔ متعلقہ اقتباس:

''لاہور کے پروفیسر جی ڈبلیو لائٹنر نے اپنی تصنیف ''سنین اسلام'' کی جلد اول شائع کر دی ہے جو سولہ سطری ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ اردو میں اسلامی تاریخ اور ادب کا خلاصہ ہے۔ موصوف کو اس کتاب کی تیاری میں مولوی محمد حسین سے بہت قیمتی مدد ملی۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ ہندوستان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کتاب کا طرز تحریر نہایت سلیس اور شستہ ہے جس کی اہل مشرق بڑی قدر کرتے ہیں اور جو اکثر ان کتابوں میں مفقود ہوتا ہے جو اہل یورپ ہندوستان کے متعلق خود لکھتے ہیں یا دوسروں سے لکھواتے ہیں۔'' (''مقالات گارساں دتاسی''، حصہ اول، ص ۸۷۔ مقالہ بابت ۱۸۷۱ء)

۷۴۔ ''......میں ڈاکٹر لائٹنر کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں کہ مغربی زبانوں کی تصانیف کا لفظ بہ لفظ ہندوستانی میں ترجمہ کرنے کے بجائے ان کے مطالب کو سلیس زبان میں ادا کرنا چاہیے۔'' (ایضاً)

۷۵۔ ''خطباتِ گارساں دتاسی'' (۱۹۳۵ء)، ص ۵۲۲

۷۶۔ بحوالہ ثریا حسین، ص ۵۶-۵۷

۷۷۔ سیسے کا یہ بیان ہے کہ ۱۸۴۴ء میں کرومنڈل سے مالا بار تک بارہ سو میل کے دوران سفر اس نے ہر جگہ اردو میں بات چیت کی تھی اور جنوبی ہند میں ایک رابطہ کی زبان کا درجہ اختیار کر چکی ہے (رک: ثریا حسین ص ۲۲۷)

۷۸۔ ''خطباتِ گارساں دتاسی'' (۱۹۳۵ء)، ص ۸۳-۷

۷۹۔ ''تاریخ'' ۱: ۳۵۹

۸۰۔ رک: ژورنال ازیاتک (اکتوبر ۱۸۴۷ء)، ص ۳۵۳، لیکن گارسیں دتاسی کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

۸۱۔ ''تاریخ رشید الدین خاں'' (تاریخ دکن) از ہجر حیدر آبادی۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن، ریورنڈ جی، سمال (Rev. G. Small) نے از راہ نوازش اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیجا ہے۔'' (''خطبات'' (۱۹۳۵ء) ص ۵۳۳۔ خطبہ بابت ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء)

۸۲۔ رک: ثریا حسین، ص ۵۰

۸۳۔ جلد اکتیس، سلسلہ جدید، جنوری تا اپریل ۱۸۴۰ء، ص ۹۵-۱۰۶

۸۴۔ ایضاً، ص ۹۵

۸۵۔ بابت ۱۸۴۷ء، ص ۴۴۷ بعد

۸۶۔ رک: ثریا حسین، ص ۱۱۹

۸۷۔ اس جرمن رسالے کا اسی سال یعنی ۱۸۴۷ء میں اجراء ہوا۔ (بمقام لِپزگ)۔ بالعموم اس مجلّہ کا مخفف ZDMG استعمال کیا جاتا ہے اور یہ اب بھی ویس بادن (جرمنی) سے شائع ہو رہا ہے۔

۸۸۔ شمارہ اول (۱۸۴۷ء)، ص ۳۶۰ بعد

۸۹۔ ویانا کی اکیڈمی آف سائنسز کا بانی اور پہلا صدر۔ اب بھی اس کے نام سے آسٹریا کی اورینٹل سوسائٹی (ویانا) قائم ہے۔ تفصیل کے لیے رک:

Hammer-Purgstall and the Muslim India. By M. Ikram Chaghatai. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1998 (Broshure Series No. 6)

۹۰۔ تبصرے کا عنوان ''ہندی تاریخ ادبیات'' در:

Jahrbücher der Literatur (Vienna), 120 (1847), pp. 126-147.

۹۱۔ رک: ژورنال ازیاتک، بابت فروری ۱۸۴۲ء، ص ۲۰۷-۲۰۸

۹۲۔ رک:

uvelle Biographie Générale. Publiés par MM. Firmin Didot Frères. vol. xix, Paris *No* 1857, cols. 468-469

۹۳۔ رک: بک لینڈ کی ''ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی''، ص ۴۵۵۔ ''ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی''۔ بذیل ''ولسن''۔

۹۴۔ منقولہ عبارت یہ ہے:

The Hindi dialects have a literature own and one of very great interest. (*Intro. to Mack. Collect.*)

۹۵۔ ''تاریخ''۔ ۱: ۸۵ (تحتی نوٹ)، ۲۱۳، ۲۷۴، ۳۲۵ (تحتی نوٹ)، ۳۳۴۔ ۲: ۶۲، ۶۳، ۷۲ (تحتی نوٹ)، ۱۰۳، ۱۳۲ (تحتی نوٹ)، ۱۳۳ (تحتی نوٹ)، ۱۸۲ (تحتی نوٹ)، ۳۲۳ (تحتی نوٹ)، ۳۶۰ (تحتی نوٹ)، ۴۰۹ (تحتی نوٹ)، ۴۴۴ (تحتی نوٹ)، ۴۸۶، ۵۱۱ (تحتی نوٹ)، ۵۲۷ (تحتی نوٹ)۔ ۳: ۳ (تحتی نوٹ)، ۲۸ (تحتی نوٹ)، ۱۶۵، ۱۷۷، ۲۴۳، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۰۰ (تحتی نوٹ)۔

۹۶۔ ''ریویو اوریئنتال اے امریکن''۔ ۱۸۶۱ء، ص ۱۵۴-۱۵۶، بحوالہ ثریا حسین، ص ۳۳۷۔

۹۷۔ اس ولسن کلیکشن کا نمبر یہ ہے: MSS Eur 301

۹۸۔ اس وفات نامہ کے اختتام پر مصنف کے مخففات E.R. درج ہیں اور یہ اس انگریزی مجلّہ میں شائع ہوا:

Indian Antiquary (Bombay). Ed. by Jas. Burgess, vol. VII (November 1878), p. 292

گارسیں دتاسی کے انتقال پر ڈولنگر نے اس کے حالات زندگی اور تصنیفات پر ایک مفصل مضمون لکھا، جس کا مکمل حوالہ درج ذیل ہے:

The British Empire in India: a Review of the life and works of Garcin de Tassy. By Johann van Dollinger. (i Doellinger Review, vol. 35 (June 1879), pp. 385-403)

اس جامع اور معلوماتی مضمون کا اردو ترجمہ الگ سے شائع کیا جائے گا۔

Abstract

Joseph-Heliodore Garcin de Tassy was a well-known, eminent and established, French scholar of oriental languages and literature. He had a profound interest in Urdu and Islamic studies and despite the fact that he never visited India; he had a close contact with the scholars, orientalists and researchers, working on the history of Urdu language and Literature. He was a student of a reputed French Orientalist, Silverstre de Sacy (1758-1838) and learnt Persian, Arabic and Turkey languages from him. In 1828, he became the first

Professor of Urdu in France at the recommendation of his teacher and continued to work at the post till his death in 1878. The article gives a detailed and comprehensive account of his works and activities, his friends and collaborators, his sources and methods and his services regarding the compilation of the first history of Urdu language and literature which has been used a source material by many of his successors. In this article the writer has disclosed first time that Garan de Tarry was also a member of Anjuman-e Punjab, Lahore and was interested in its literary activities.